ماہنامہ محدث لاہور

شمارہ نمبر:19 ـــــ جلد نمبر2 ـــــ شمارہ نمبر8 ـــــ اگست1972ء ـــــ رجب المرجب1392ھ

ماہنامہ ’محدث‘ لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ ’محدث‘ لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ ’محدث‘ لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے ’محدث‘ وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: 20روپے   زرِ سالانہ: 200روپے   بیرون ملک: 20ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، 99جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 4600861 - 0305

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com ____www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

دیارِ غیر میں مُلکی سالمیّت اور ملّی عافیّت کی تلاش 2
جائزے 6
اسلامی معاشرہ میں مساجد کی اہمیت 10
دینی مدارس کی اصلاح! 20
ارزاں بشر کا خون ہے گراں ہے اناج آج 24
ڈاکٹر عبد الوہاب عزام بے کلامِ اقبال کا عربی ترجمان 25
تعارف و تبصرۂ کتب 29
کشف الستر عما ورد فی السفر الی القبر 34

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

فکر و نظر

دیارِ غیر میں مُلکی سالمیّت اور ملّی عافیّت کی تلاش

اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ

جبیں پہ گرد رہ عشق لب پہ مہر سکوت دیارِ غیر میں پھرتا ہوں آشنا کے لئے

صدر پاکستان مسٹر بھٹو ۲۸/ جون کو تقریباً گیارہ بجے قبل دوپہر لاہور سے چندی گڑھ، پھر وہاں سے ''پاک بھارت سربراہی کانفرنس'' میں شمولیت کے لئے ۸۷ افراد کی ٹیم کے ہمراہ شملہ پہنچے جہاں موصوف کا استقبال نہ صرف نہایت سرد مہری سے کیا گیا بلکہ فاتحانہ خمار کے ساتھ، کم ظرف ہندو نے اپنی کم ظرفی کی نمائش بھی ضروری سمجھی۔

۲۸/ جون کی شام کو مذاکرات شروع ہوئے اور ۲/ جولائی ۱۹۷۲ء رات کو الوداعی ملاقات میں اچانک اور بالکل ڈرامائی انداز میں ''سمجھوتہ'' طے پا گیا۔ معاہدے کے اہم نکات اور واقعات یہ ہیں:

- بھارتی اور پاکستانی فوجیں بین الاقوامی سرحدوں تک پیچھے ہٹالی جائیں گی۔
- جموں و کشمیر میں ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی کے نتیجہ میں جو کنٹرول لائن قائم ہوئی اس کا دونوں حکومتیں احترام کریں گی اور اس سے ان دونوں کی تسلیم شدہ پوزیشن متاثر نہیں ہوگی۔
- دونوں حکومتوں نے یہ اقرار بھی کیا ہے کہ وہ جموں و کشمیر میں جنگ بندی لائن کی خلاف ورزی کے لئے طاقت کے استعمال کی دھمکی سے گریز کریں گی۔
- بین الاقوامی سرحدوں سے فوجوں کی واپسی معاہدے کی توثیق کے بعد ہوگی جو اس معاہدے پر دستخط کے تیس روز کے اندر اندر ضروری ہے۔
- دریں اثنا دونوں ملکوں کے نمائندے آپس میں ملاقات کریں گے تاکہ جنگی قیدیوں اور شہری نظر بندوں کی واپسی، دیرپا امن کے قیام، دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے، جموں و کشمیر کے سمجھوتے اور سفارتی تعلقات کی بحالی کی کوشش کریں۔
- دونوں ملکوں کے سربراہ باہمی طے شدہ تاریخ پر ملاقات کریں گے۔
- مواصلات، ڈاک و تار کی ترسیل اور دونوں ملکوں پر سے طیاروں کی پرواز کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے اقدامات کیے جائیں گے۔
- معاشی اور دوسرے شعبوں میں تعاون اور تجارت کو امکانی حد تک بحال کیا جائے گا۔
- دونوں ملکوں کے شہریوں کو ایک دوسرے کے ملک میں آنے جانے کے لئے سفر کی سہولتیں دی جائیں گی۔

(نوائے وقت وغیرہ ۴؍جولائی)

بعد میں قومی اسمبلی میں اس سمجھوتہ کی توثیق کی گئی مگر سنجیدہ سیاستدانوں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی کیونکہ نیشنل اسمبلی میں صدر موصوف کی اپنی پارٹی کی اکثریت ہے جو بیگن کی نہیں صرف صدر بھٹو کی غلام ہے۔ اس میں ایسا عنصر بہت کم ہے جو صدر بھٹو کو مشورہ دینے کا حوصلہ اور اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ صدر بھٹو نے شملہ میں مسنہ اندرا گاندھی سے سمجھوتہ کیا اور اسلام آباد میں خود ہی قومی اسمبلی میں آکر اس کی توثیق بھی کر دی ہے۔ یقین کیجئے! پاکستان کی قومی اسمبلی کی یہ ذہنی ''قینچی'' بری طرح کھٹکتی ہے کیونکہ جمہوریت کی اوٹ اور اس کے نام پر ڈکٹیٹر شپ نافذ ہے اس لئے قومی اسمبلی کی طرف سے جو بھی فیصلے اور مباحث سامنے آتے ہیں ان کی افادی حیثیت کچھ یونی سی محسوس ہوتی ہے۔ الّاماشاء اللہ۔

صدر بھٹو نے برسر اقتدار آنے کے بعد، مختلف اوقات میں پاکستان کے مستقبل کے سلسلہ میں جو تقریریں کی ہیں یا بیان دیئے ہیں، ان سے ہم نے شروع سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ اب اس موڈ میں ہیں کہ جو ہو سو ہو ہمیں بہر حال بھارت سے اپنے جھگڑوں کو ختم کرنا چاہئے اور جیسے بھی بن پڑے اسے راضی کر لینا چاہئے اس لئے جو کچھ ہو رہا ہے اسے غیر متوقع نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اسے کچھ زیادہ باوقار اور سنجیدہ کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ صدر موصوف شہزادے ہیں۔ جان جوکھوں والی بات سے گھبراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سستے چھوٹ جائیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ ہماری تو اسی کشاکش میں گزری ہے۔ تن آسانی کی سوچ اور فرصت کہاں؟

اے ذوقِ اذیت مجھے منجھدار میں لے چل
ساحل سے کچھ اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

ہمارے نزدیک یہ سمجھوتہ دراصل رزمگاہِ حیات کے پر خطر لمحات سے ایک گونہ ''فرار'' ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ صلح جوئی بری ہے بلکہ صلح وہ جو شایانِ شان ہوتی ہے جو ''برابری کے تصور'' پر مبنی ہو اور فریق ثانی ''سمجھوتہ'' کو بخشش تصور کرنے کے بجائے مدّ مقابل کا وزن محسوس کرتے ہوئے اس کی ضرورت کا خود بھی معترف ہو۔ ورنے یہ سمجھوتہ کر کے مصلحت کوشی کا تو درس ضرور دیا ہے، سخت کشی کا نہیں۔ خاص کر وہ مصلحت پرستی جو خوف، ڈر اور احساس کمتری کی غماز ہو ہمارے لئے قوم کی خودکشی کے مترادف ہے۔

اقبال مرحوم نے پیامِ مشرق میں ایک کہانی لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ایک ہرن نے دوسرے ہرن سے کہا کہ میں صیاد کے فتنوں اور تعاقب سے گھبرا گیا ہوں۔ ہر گھڑی اور ہر آن یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کب کوئی شکاری آگھیرے، اس لئے میں تو ''حرم'' میں جا کر زندگی کی گھڑیاں گزاروں گا، کیونکہ وہاں شکار کرنا حرام ہے اس کے جواب میں دوسرے ہرن نے کہا:

رفیقش گفت اے یار خردمند — اگر خواہی حیات اندر خطرزی!

کہ اے دانا! زندگی کا لطف چاہتے ہو تو پھر ''خطرات'' میں جینے کی کوشش کرو۔

دماوم خویشتن را بر فساں زن! — زتیغ پاک وہر تیز تر زن!

اپنے آپ کو سنگ فسا (سان) پر مار اور جوہر دار تلوار کی طرح تیز دھار بن کر رہ۔

ایک اور مقام پر علامہ مرحوم لکھتے ہیں کہ:

تو ایں جنگ از کنار عرصہ بینی ۔۔۔ بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو!

تو (کارزار ہستی کی) یہ جنگ کنارے پر کھڑا دیکھ رہا ہے۔ آ اور میدانِ جنگ میں مر کر زندہ تر ہو جا۔

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا ۔۔۔ ہوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و موجش در آویز! ۔۔۔ حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

اپنی محفل ساحل پر نہ سجا کیونکہ اس جگہ زندگانی کی ہوا نہایت مدہم چلتی ہے بلکہ طوفان خیز دریا میں کود کر اس کی موجوں سے اُلجھ پڑ کیونکہ لازوال زندگی صرف حرب و ضرب میں (پوشیدہ) ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ''حکم ہے کہ اگر دشمن صلح کے خیال سے بے فکر ہو جائے تو اس پر چڑھائی کرنا حرام ہے۔ کیوں؟

سرّ ایں فرمانِ حق دانی کہ چیست؟ ۔۔۔ زیستن اندر خطرہا زندگیست

شرع می خواہد کہ چوں آئی بجنگ ۔۔۔ شعلہ گردی واشگافی کام سنگ

آزماید قوتِ بازوئے تو! ۔۔۔ مے نہد الوند پیش روئے تو

باز گوید سرمہ ساز الوند را! ۔۔۔ از تف خنجر گداز الوند را!!

یعنی حق تعالیٰ کے اس فرمان کا راز یہ ہے کہ خطرات میں رہنا ہی فروغِ زندگی ہے۔ شریعت چاہتی ہے کہ جب آپ آمادۂ جنگ ہوں تو شعلہ ہو جائیے اور پتھر کو بھی دو نیم کر دیجئے۔ شریعت آپ کی قوتِ بازو کا آزماتی ہے۔ اس لئے وہ آپ کے سامنے الوند کا پہاڑ رکھ کر کہتی ہے کہ اس پہاڑ کو پیس کر سرمہ بنا دیں اور اپنی تلوار کے حرارت سے الوند کو پگھال کر رکھ دیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ بات معاہدہ کی ہے اور ہم نے پُر خطر مجاہدہ کا وعظ شریف شروع کر دیا ہے۔ آخر اس میں کیا تُک ہے! بات یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر کی سطور میں لکھ چکے ہیں کہ اس معاہدہ اور سمجھوتہ پر برسرِ اقتدار پارٹی بالخصوص اور اس سے متاثر عوام کا ایک عنصر بالعموم جھوم اُٹھا ہے اور یوں جیسے:

جان چھوٹی سو لاکھ پائے

اور خود صدر بھٹو جو ہزار سال لڑنے کے بلند بانگ دعوے کرتے رہے ہیں وہ تھکے ہارے دکھائی دیتے ہیں اور ہر قیمت پر ''حق و باطل'' کی اس آویزش سے چھٹکارا حاصل کرنے کے موڈ میں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ وہ بیمار ذہنیت ہے جو عموماً قوموں کو غلامی کے لئے ساز گار غذا مہیا کرتی ہے۔ قوم کے فکر و عمل کی قوتوں کو زنگ کھا جاتا ہے، تخلیقی صلاحیتوں سے محروم ہو رہتی ہے اور غیرت و حرارت کی ان اقدار سے دامن جھاڑ کر ذِلت پر قناعت کرنے لگ جاتی ہے جو اس کے مستقبل کی ضامن ہوتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان اربابِ اقتدار نے قوم کو اغراض پرست بنا کر قوم کو بزدل بنا ڈالا ہے۔ اس کی تعمیر، سیرت اور کردار کے استحکام کی قطعاً کوئی فکر نہیں کی اور جو آتا ہے وہ اس میدان میں کھیلوں سے بازی لے جاتا ہے۔ اس پامال ڈگر پر نظرِ ثانی اور تنقیدی نگاہ کی توفیق نہیں پاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب یہ صورت بدل جانا چاہئے۔ قوم کو روٹی کپڑے تک اڑنا نہ سکھایئے۔ ان کو ملّی مزاہیں پختہ اور فکر و عمل میں ایمان کے لحاظ سے معیاری انسان بنانے کی کوشش کی جائے۔ ان شاء اللہ اس کے بعد آپ "معاہدوں اور سمجھوتوں" کی بھیک نہیں مانگیں گے۔ بلکہ خود ہی ان کی کھیر بانٹیں گے اور دنیا آپ کے معاہدوں پر فخر کرے گی۔

اس کے علاوہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے رب سے کچھ معاہدے کر رکھے ہیں لیکن ان کے سلسلہ میں غیر محتاط بلکہ طوطا چشمی کی حد تک ہم نے بے وفائی برتی ہے۔ اگر آپ ان کے سلسلہ میں سدا ایسے ہی رہے تو یقین کیجئے کہ دوسرے جو بھی معاہدے کریں گے۔ ان سے آپ بہ مشکل ہی متمتع ہوں گے۔ کیونکہ مسلم کہلاتے ہیں پر مسلم بنتے ہیں، اس لئے آپ کے اندر وہ مثالی کردار اور شخصیت نہیں اُبھر رہی جس کی دنیا شرم رکھتی ہے اور وزن محسوس کرتی ہے۔

ہمارے بنیادی مسائل، جنگی قیدیوں اور شہری نظربندوں کی رہائی، مسئلہ کشمیر اور مشرقی پاکستان میں بھارت کی جارحیت کے خلاف احتجاج تھا مگر ان کو جوں کا توں رکھنے کے بعد آکر سمجھوتوں کی "عیدی" منانا تھوڑے ہی ظرف کی بات ہے۔ گویا کہ اب آپ نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر خلاصی پانے کے لئے ایک گونہ بے چین بے تابی کا مظاہرہ کیا ہے جو کچھ زیادہ خوش آئندہ بات محسوس نہیں ہوتی۔ ہم سے تو عرب ہی بہتر رہے جو ہزار مجبوریوں کے باوجود برسوں سے قومِ یہود کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر بات کرنے کو اپنے لئے بے عزتی اور بے غیرتی تصور کرتے آرہے ہیں مگر آہ! ہزار سال تک لڑنے والا جواں سال صدر چند ماہ بھی "خوابِ وصال" کا انتظار نہ کر سکا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سمجھوتہ بالکل صفر رہا ہے۔ گزارش یہ ہے کہ مقام مقامِ عزیمت نہیں رہا۔ آپ کہیں گے کہ مقابلہ کی تاب و تواں نہیں تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہی آپ کی بھول ہے، مقابلہ کی تاب و تواں کیا، آپ بذاتِ خود بہت بڑی "تاب و تواں" ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آپ خود تاب و تواں نہیں رہے اور جتنی باقی ہے اس کو مصلحت کوشیوں کے ہاتھوں بیچے جا رہے ہیں۔ علاج روگ کا کیجئے۔ لیکن آپ کا یہ ہومیوپیتھی علاج کہ علاج بالمثل چاہئے۔ آپ کو یہاں کام نہیں دے گا۔

اس سمجھوتہ کا تاریک ترین پہلو یہ ہے کہ بھارت کو "کہہ مکرنی" کا ڈھنگ خوب آتا ہے اور وہ اس سلسلہ میں بے شرمی کی حد تک ڈھیٹ ہے۔ مسئلہ کشمیر خود ہی اقوام متحدہ میں لے گیا تھا۔ لیکن بعد میں تاویلوں اور کہہ مکرنیوں کا جو ریکارڈ اُس نے قائم کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

صدر بھٹو کو چاہئے کہ اب اندرونِ ملک ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی رِیت کا کوئی توڑ مہیا کریں تاکہ قوم کو اعداء اللہ کے سامنے "سیسہ پلائی دیوار ثابت کیا جا سکے۔ اور کردار میں ملّی روایات کو دُھرایا جا سکے۔ بخدا! ہم اب نرے دنیادار، ملک کے بہی خواہی کے مدعیوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ چکر باز لوگ ہیں۔ انہوں نے پوری قوم کو چکروں میں لا کر تباہ کر ڈالا ہے۔ قوم کے لئے اب ان سے رہائی پانے کا کوئی نسخۂ شفا تشخیص کیجئے تاکہ قوم کو وہ رہنما پھر ہاتھ آجائیں جن کی زندگیاں قرآن و سنت کی غماز ہوں اور بھنور میں گھری ہوئی ملک کی نیا کو ساحلِ عافیت سے ہمکنار کر سکیں۔ معاہدے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

بھی ان کے معاہدے ہوں گے، جنگ بھی ان کی جنگ ہو گی۔ باقی جو رہے، سراپا ضایع ضیاع ہی ضیاع ہے۔

جائزے

سندھ میں زبان کا جھگڑا اٹھا، کہتے ہیں جنہوں نے یہ فتنہ کھڑا کیا تھا، انہوں نے ہی بالآخر اسے دبایا بھی۔ بہر حال محرک اس کا کچھ ہو اور کوئی ہو، یہ ایک المیہ ہے کہ جب تک ملک کی سرکاری زبان انگریزی رہی کوئی نہیں بولا، جب ملک کی ایک زبان کا مرحلہ آیا تو چیخیں نکل گئیں۔ خوب!

زبان کا دائرہ جتنا وسیع ہتا ہے اتنا ہی قومی وحدت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور ملک کے اندر زبانوں کی جتنی اکائیاں چالو ہوتی ہیں ملکی اتحاد اتنی ہی اکائیوں میں منقسم ہو جاتا ہے جس کے نتائج انتشار اور شکایتوں کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ ہے کہ مقامی زبان کو حرام اور شجرِ ممنوع قرار دیئے بغیر ملک کی سرکاری زبان بہر حال عربی ہونی چاہئے۔ امام صاحب نے بجا فرمایا ہے۔ یہ ہماری روایات کی امین بھی ہے اور کتاب و رسول کی زبان بھی۔ اگر ہم نے ان کے نام پر نسلی رشتوں کی قربانی دی ہے تو ان کی خاطر اپنی زبان کی قربانی دینے میں کیا شے مانع ہے؟ دراصل جو لوگ اپنی علاقائی زبانوں پر مصر ہیں وہ دراصل اپنی اس جاہلی تہذیب و تمدن کا تحفظ چاہتے ہیں جس کو انہوں نے محض اللہ اور رسول کی خاطر چھوڑا تھا یا یہ کہ قرآن و حدیث سے مناسبت حاصل کرنے کے لئے ان کے دلوں میں کوئی تڑپ موجود نہیں ہے۔

عربی نہ سہی، بہر حال اردو بالکل غیر علاقائی زبان ہے جو بین الاقوامی شہرت حاصل کر رہی ہے۔ جس میں اسلامیات کا محیّر العقول خزانہ محفوظ ہو گیا ہے۔ مگر نادان دوستوں کے ہاتھوں اس کا مستقبل تاریک ہونے کو ہے۔ ہم سوچتے ہیں یہ لوگ ابھی لیڈر ہیں۔ عوام ہوتے تو خدا جانے کیا کیا گل کھلاتے اور کیا کیا ستم ڈھاتے؟

ایک عام شکایت ہے کہ صدر بھٹو کے وزیروں کی ٹیم ملک کے شایانِ شان نہیں ہے اور ملک کو جن مشکلات کا سامنا ہے ان کے سلسلے میں شاید ہی کوئی دکھ کی دوا بن سکے۔ عوامی ایک بھی نہیں، عامی تقریباً سارے ہیں۔ ملک کی خدمت کم کرتے ہیں۔ صدر موصوف کی خوشامد زیادہ۔ گویا کہ یہ ان کے خصوصی دعا گوؤں کی ایک جماعت ہے جو مسٹر بھٹو کے بحرِ بے کنار کی ذاتی موجیں ہیں۔

کچھ لوگوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ ان کی اکثریت سفارش اور منت سماجت کے ذریعے لیلائے وزارت تک پہنچی ہے۔ اس لئے یہ لوگ "جی حضوری" زیادہ ہیں۔ دیدہ ور مشیر کم۔

بر سر اقتدار آنے کے بعد انہوں نے صرف دو کام کیے ہیں ایک ذاتی دکھ اور ذاتی انتقام کی پیاس بجھائی ہے اور اس کم ظرفی میں اتنے دور نکل گئے ہیں کہ دل جیتنے کی بجائے ذاتیات میں ملوث پائے گئے ہیں جس کی وجہ سے بالواسطہ طور پر صدر موصوف کی ذاتِ گرامی بھی زیر بحث آجاتی ہے۔

دوسرا مکروہ کام جو انہوں نے کیا ہے وہ ایک نجی ملازم کی طرح در موصوف کی چاکری ہے۔ ان دو کاموں سے ماسوا اگر انہوں نے کچھ کیا ہو تو اسے منظر عام پر لایا جائے۔

صدر موصوف نے بعض وزیروں کا انتخاب اپنے خصوصی مصالح اور وزیر موصوف کی کسی خاص ذاتی کمزوری کے پیش نظر کیا ہے اور بعض کو محض

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

شکار کرنے کے لئے رکھا ہوا ہے۔ کچھ کا تو یہ حال ہے کہ وہ مزدوروں کا شکار کرتے ہیں۔ بعض علماء سوء اور پیرانِ سالوس پر ڈورے ڈالنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو عوام کی دین پسندی کا استحصال کرنے میں مہارتِ تامّہ رکھتے ہیں۔ الغرض ان میں اکثریت ان وزراء کی ہے جن کو ملک میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ اگر کبھی وقت ملا تو ہم بعض وزیروں کی کارستانیوں کی تفصیلات سے صدر اور قوم کو آگاہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ڈیرہ غازی خان سے قومی اسمبلی کے ممبر اور جماعتِ اسلامی کے راہنما ڈاکٹر نذیر احمد کو کسی بدنصیب اور شقی القلب نے شہید کر ڈالا ہے اور اس سلسلہ میں مقامی پولیس اور حکومت نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے، اس سے عوام کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا ہونے قدرتی بات ہے۔

پیپلز پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے پر سماج دشمن عناصر کے جس طرح حوصلے بلند ہوئے ہیں اور وہ جو نہ کر دنیاں کر گزرے ہیں ان سب کا کریڈٹ پیپلز پارٹی کو مل سکتا ہے اور ملنا چاہئے۔

ڈاکٹر نذیر احمد شہید ہر دل عزیز لیڈر، مخلص رہنما، بے داغ داعی اور اَن تھک مجاہد انسان تھے۔ اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ قتل کسی ذاتی رنجش کا نتیجہ ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے تو پھر کیا ہے؟ اس پر ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

اس سانحہ کا سب سے زیادہ مایوس کن پہلو یہ ہے کہ ابھی تک اس معمہ کو حل کرنے میں حکومت ناکام رہی ہے۔ بہر حال اس قسم کی دھاندلیوں کے بعد عوام میں بڑی بے چینی پائی جاتی ہے اور ان سے ایک گونہ ہراس پیدا ہو جاتا ہے جو بالکل قدرتی امر ہے۔

اس سانحہ پر ادارۂ محدث ڈاکٹر شہید مرحوم کے متعلقین سے پوری ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور مرحوم کے لئے دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت کرے اور حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ اس سانحہ کا معمہ حل کرنے کے لئے سنجیدگی کے ساتھ کوشش کرے اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے۔ اگر حکومت ملک کے پُر امن شہریوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام رہتی ہے تو پھر ملک کے عوام اس حکومت سے اور کیا دلچسپی رکھ سکتے اور توقع کر سکتے ہیں۔

(۴)

پریس کی آزادی ایک ایسا مسلمہ اصول اور نظریہ ہے جس کا نعرہ نہایت شد و مد کے ساتھ مسٹر بھٹو نے بھی بلند کیا تھا مگر افسوس! جو حشر ان کے دوسرے وعدوں کا ہوا وہی اس کا بھی ہوا۔ یہ بات صرف موجودہ حزبِ اقتدار کی نہیں بلکہ ان سب کی ہے جو برسرِ اقتدار آئے اور اس کی ایک وجہ ہے، جو بہت بھاری اور وزنی ہے وہ یہ کہ:

اس ملک میں یہ ایک ریت بن گئی ہے کہ حصولِ اقتدار کے لئے عموماً لوگ جھوٹے وعدے کرتے اور اَن ہونے سبز باغ دکھاتے ہیں، جب حسنِ اتفاق سے برسرِ اقتدار آجاتے ہیں تو دنیا ان کو وہ وعدے اور نعرے یاد دلاتی ہے لیکن اب یہ یاد دہانیاں ان کے لئے گالیاں بن جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

ان کی ان ذاتی کمزوریوں کا ذِکر ان کے لئے سوہانِ روح بن جاتا ہے جن کی وجہ سے ان کی "نااہلی" نمایاں ہو سکتی ہے۔ حقیقت میں اربابِ اقتدار چڑ کر اپنی نااہلی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہی چیز "دلیلِ نااہلی" بن جاتی ہے۔ اس لئے عموماً دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اخبارات کو ہاتھ لگاتے ہیں اور جب کوئی ایسی بات ان میں دیکھ لیتے ہیں جو ان کو عریاں کر سکتی ہے، تو سٹپٹاتے ہیں، گھبراتے ہیں اور کتراتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ ان کمزوریوں پر تو قابو پا نہیں سکتے لہٰذا اخبارات کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرنے لگ جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اخبارات کی تنقید ان کے لئے کڑوی دوا تو ہوتی ہے پیامِ موت نہیں ہوتی۔ ہاں ان کے لئے مرگِ مفاجات کا سامان ضرور بن جاتی ہے جو اصلاحِ حال کے بجائے چڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو خوش نصیب حکمران اخبارات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے رہتے ہیں وہ سنور جاتے ہیں۔ مگر افسوس! صدر بھٹو کو کچھ وزراء ایسے دستیاب ہوئے ہیں جو ان کو مصلح سے زیادہ منتقم بنا رہے ہیں۔

بہر حال ملکی اخبارات کے سلسلہ میں حزبِ اقتدار نے جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے وہ ان کے نعروں اور وعدوں کے نہ صرف خلاف ہے بلکہ ان کے اقتدار کے لئے فالِ بد بھی ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ چڑنے کے بجائے ان سے سبق لینے کی کوشش کریں اور جمہوری ملکوں کی طرح اخبارات اور ان کی آزادی کا احترام کریں۔ ملکی اخبارات کی بے چینی پورے ملک کو بدنام کر سکتی ہے۔ خاص کر اخبارات کو ممنون کرنے یا دھونس کے ذریعے ان کو دبانے کی کوششیں ملکی اخبارات کو "بے ضمیر" بنانے کی ایک مذموم کوشش ہے۔ اب حکومتِ پاکستان کا یہ اعلان کہ "یکم اگست کو پورے ملک میں یومِ آزادیٔ صحافت سرکاری طور پر منایا جائے گا۔" بڑا دلچسپ ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس سے پہلے خان ولی خان اور میاں طفیل اس کا اعلان کر چکے ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ ے نقل را عقل باید

(۵)

صدر سمیت اربابِ اقتدار کا اندازِ گفتگو قائدانہ سے زیادہ مخاصمانہ ہوتا ہے۔ خاص کر جب اپنی کسی حماقت کو چھپانے کی ضرورت انہیں محسوس ہوتی ہے تو اس پر پردہ ڈالنے کے لئے اپوزیشن پارٹیوں کا نام لے لے کر ان کو کوستے اور موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے سلسلہ میں ان کا یہ کہنا کہ:

"وہ سماج دشمن ہیں، غدار ہیں، سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں، ملک کو تہس نہس کرنے کے درپے ہیں وغیرہ وغیرہ، حد درجہ غیر محتاط طرزِ گفتگو ہے۔ اگر وہ ایسی ہی ہیں تو ان کے خلاف عدالت میں کیس کرنا چاہئے۔ ورنہ عوام سے یہ بھی غداری ہو گی۔

متمدن ممالک اور زندہ قوموں میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں مگر وہ دوسروں کو جلی کٹی سنانے کے بجائے قوم کے سامنے اپنے اپنے پروگرام پیش کرتے ہیں، عوام کو سوچنے سمجھنے کا موقع دیتے ہیں، اور آزادانہ غور و فکر سے وہ ایک نتیجہ پر پہنچ کر اپنی مرضی کے رہنما کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ پھر انتخاب جیت کر مخالف جماعتوں پر لے دے کر کے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے پیش کردہ پروگرام کے مطابق پروگرام بنا کر چل پڑتے ہیں۔ ان کو کسی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرنا پڑتی، نہ موافق نہ مخالف۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ صدرِ مملکت اپنا رویہ اور زبان بدلیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

(۶)

تریپولی ریڈیو کے ایک نشریہ میں مصر کے صدر انور السادات سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی کا یہ مطالبہ فوراً مان لیں کہ:
مصر اور لیبیا کو آپس میں مدغم کر کے ایک مملکت بنا دیا جائے۔ ریڈیو طرابلس نے روزنامہ ''البلاغ'' کے اداریہ کا حوالہ دیتے ہوئے صدر انور السادات سے صدر قذافی کی پیش کش کو بلا تاخیر قبول کر لینے کی اپیل کی۔ اداریہ میں کہا گیا تھا کہ لیبیا اسرائیل کے خلاف جنگ میں مصر کا نہایت طاقتور اور با اعتماد حلیف ثابت ہو گا۔ (نوائے وقت ۷/۲ جولائی)

صدر قذافی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے انہوں نے نہایت ہی مبارک اور مطلوب امر کے لئے تحریک ڈال دی ہے۔ ہمارا شروع سے ہی یہ نظریہ رہا ہے کہ مسلم کی جغرافیائی، نسلی اور لسانی اکائیاں کم سے کم تر کرنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ وحدتِ ملّت، ہماری سیاست کا بنیادی محور ہے۔ تقسیم کار کی حیثیت سے مختلف وحدتوں میں تقسیم ہونا بُرا نہیں لیکن جداگانہ مملکتوں کا تصور اسلامی نہیں ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ پورے عالمِ اسلام کو صدر قذافی کی پیشکش کا نہایت سنجیدگی سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ کرسی اور جاہ و حشمت کے ان بھوکوں کے لئے جنھوں نے اپنی ہوسِ اقتدار کے لئے امّتِ مسلمہ کے حصے بخرے کیے ہیں ان کو اپنی ان بے آبرو اور مختصر اکائیوں اور یونٹوں میں کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ روز بہ روز ان کی بے عزتی کی تقریبات منعقد ہو رہی ہیں۔ ان میں اگر ذرہ بھر بھی حمیت اور غیرت ہو تو ان کو اپنی ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی جداگانہ ریاستوں کو ختم کر کے ''وحدتِ ملّی'' کا مظاہرہ کرنا چاہئے اس سے ان سب کی بگڑی بن جائے گی (ان شاء اللہ) دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی۔ ذرا اس نسخۂ کیمیا کو بھی آزما کر دیکھ لیجئے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہے۔

(۷)

پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے صدر مسٹر جاوید ہاشمی نے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:
''مسٹر بھٹو نے مغربی پاکستان میں چالیس فیصد سے بھی کم ووٹ حاصل کیے تھے۔۔۔ مگر آپ لوگ شکست خوردگی کا شکار ہو گئے اور ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر عوام کی آواز کو مؤثر طور پر آگے بڑھانے میں ناکام رہے۔''
انہوں نے مزید کہا کہ۔۔۔ ''آپ باقی ماندہ پاکستان کو بچانے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ لیکن خود آپ کی صفوں میں اتحاد نہیں۔ اگر ملک کو بچانا ہے تو قومی رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے متحد ہوں۔'' (وفاق ۲/ جولائی)

اسلامی معاشرہ میں مساجد کی اہمیت

جناب اکرام اللہ ساجد کیلانی

فرد اور معاشرہ باہم لازم وملزوم ہیں، جس طرح فرد معاشرے سے الگ ہو کر ایک بے حقیقت اکائی کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اسی طرح معاشرہ سے افراد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ دوسرے لفظوں میں افراد کی مجموعی حیثیت کا نام معاشرہ ہے۔ اس لحاظ سے فرد کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح پر منتج ہوگی اور فرد کا بگاڑ پورے معاشرہ کے بگاڑ کا باعث بنے گا۔ اسی لئے اسلام نے فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد فرد پر جو سب سے پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ نماز ہے۔ تاکہ نماز اس کی جسمانی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کی اصلاح کر سکے۔ ذیل کی حدیث نماز کے اس فائدۂ عظمیٰ کی شاہد ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ارأیتم لو ان نھرا بباب احدکم یغتسل فیه کل یوم خمسا ھل یبقی من درنه شئ قالوا لا یبقی من درنه شئ قال فذالك مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بھن الخطایا'' (متفق علیه)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے سے ایک نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جاتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ ''نہیں یا رسول اللہ ﷺ!'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، ''بالکل اسی طرح جو آدمی روزانہ پانچ مرتبہ (مسجد میں حاضر ہو کر) نماز ادا کرتا ہے وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' (بخاری و مسلم)

فرد کی اصلاح کے بعد معاشرتی اصلاح کا نمبر آتا ہے چنانچہ جب بہت سے افراد مل کر ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی اصلاح و تطہیر کے لئے اسلام نے نماز باجماعت کو لازمی قرار دیا ہے[1]۔ جس کے لئے مسجد کا قیام ناگزیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب اوّلین معاشرہ تشکیل دیا تو اس کے ساتھ ہی مساجد کی آبادی شروع ہو گئی۔ حضرت آدمؑ کی اولاد نے جب ایک معاشرہ کی شکل اختیار کر لی تو آپ کا سب سے پہلا کام بیت اللہ کی تعمیر تھا۔ پھر جب آپ کی اولاد اقطارِ دنیا میں پھیلی تو آپ ہی کے ایک صاحبزادے نے (بیت اللہ کی تعمیر کے چالیس برس بعد[2]) بیت المقدس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ملّتِ اسلامیہ کے بانی حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت رسول اکرم ﷺ نے جب دعوت الی الحق کا بیڑا اُٹھایا تو آپ ﷺ نے اپنا مرکز خانہ کعبہ یا مسجد الحرام کو بنایا اور جب کفار کی طرف سے اعلانیہ مخالفت ہوئی تو آپ ﷺ نے بامر مجبوری دارِ ارقم کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی پھر سے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کی دیواریں تکبیر کے نعروں اور توحید کے کلمات سے گونجنے لگیں۔ اور پھر جب کفار کی مخالفت انتہا کو

---

[1] نماز باجماعت سے معاشرہ کی اصلاح کیونکر ممکن ہے؟ آئندہ سطور میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

[2] مسجد اقصیٰ کی تعمیر خانہ کعبہ کے چالیس سال بعد ہوئی۔ (ابن جریر۔ جلد ۴، ص ۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچ گئی اور آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ شریف لے گئے تو یہاں کی فضا کو مسلم معاشرہ کے لئے سازگار سمجھتے ہوئے آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجدِ نبوی کی تعمیر تھی۔ اس کے بعد جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ہر قبیلہ اور ہر محلہ میں الگ الگ مسجدیں تعمیر ہوتی چلی گئیں۔ اگرچہ عام غربت اور سادگی کی وجہ سے اس دور میں جو عام مساجد تعمیر ہوئیں وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکیں اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بہت سوں کا نام ونشان بھی مٹ گیا تاہم تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ اسلام کی روشنی نے جب عرب کے گوشے گوشے کو منور کر دیا تو عرب کا کوئی گاؤں، شہر اور محلہ مساجد سے خالی نہ تھا۔[1]

پھر اسلام نے سرزمینِ عرب سے قدم باہر نکال کر جب اپنے قومِ میمنت لزوم سے بیرونِ دنیا کو نوازنا شروع کیا تو جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی اور مسلم معاشرہ کا قیام عمل میں آیا، مساجد تعمیر ہوتی چلی گئیں۔ جن میں سے بعض آج بھی اپنی روایتی شان وشوکت کے ساتھ موجود ہیں۔ موجودہ دور کے غیر مسلم ممالک بھی جہاں کچھ بھی مسلمان موجود ہیں۔ مساجد سے خالی نہیں اور مسلمان ممالک کا تو ذکر ہی کیا، ہر گاؤں، ہر محلہ اور ہر شہر میں مساجد کے شاندار مینار اپنی عظمت ورفعت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

مندرجہ بالا تاریخی حقائق مسلم معاشرہ کے قیام میں مسجد کی اہمیت وضرورت کی واضح ترجمانی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور کا وہ معاشرہ جو استحکام، پائیداری اور عظمت ورفعت کی بہترین مثال تھا، مساجد ہی کا مرہونِ منت تھا اور ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ جب تک مساجد پُر رونق رہیں اور مسلم معاشرہ میں ان کی ضرورت وافادیت کو محسوس کیا جاتا رہا۔ اسلام بھی سربلند رہا۔ لیکن جونہی مساجد کی مرکزی حیثیت متزلزل ہوئی اور قرآن وحدیث کو چھوڑ کر دوسری تعلیمات کا دور دورہ ہوا۔ لوگ مساجد سے دور ہونے لگے اور معاشرہ میں مساجد کو وہ مقام حاصل نہ رہا جو قرونِ اولیٰ میں تھا تو مسلمان بھی اپنی شان وشوکت کھو کر تنزل وتسفل کا شکار ہوتے چلے گئے اور بالآخر اسلام کو غربت سے ہمکنار ہونا پڑا۔

لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کا تمام تر دارومدار ہی مساجد پر ہے۔ تاہم اپنے اس دعویٰ کی صداقت کے لئے ہمارے لیے اس امر پر روشنی ڈالنا ازبس ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ کے قیام میں مساجد کیا کردار ادا کرتی ہیں اور معاشرہ میں ان کی دینی، تعلیمی، سماجی اور سیاسی اہمیت کیا ہے؟

(ا) مساجد کی دینی اہمیت

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریٰت:۵۶) کہ انسان کا مقصدِ تخلیق ہی عبادت ہے اور اسی چیز پر آخرت میں انسان کی کامیابی کا انحصار ہے۔ عبادات کہ انسان کا مقصدِ تخلیق ہی عبادت ہے اور اسی چیز پر آخرت میں انسان کی کامیابی کا انحصار ہے۔ عبادات کا مظہرِ اوّل نماز ہے اور چونکہ مسجد اصطلاح میں اس جگہ کو کہتے ہیں جو نماز کے لئے وقف کر دی گئی ہو۔ لہٰذا دینی اعتبار سے مسجد کو بہت

---

[1] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، ہر محلہ میں مسجد بناؤ اور انہیں صاف اور خوشبودار رکھو۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں قرآن وحدیث میں کافی آیات واحادیث مذکور ہیں جن میں یا تو مسجد کی دینی اہمیت بیان کی گئی ہے اور یا نماز باجماعت کے فوائد وثواب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ذیل میں چند ایک نصوص ملاحظہ فرمائیں۔

مسجدوں کی آبادی ایمان کی دلیل ہے:

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبہ:١٨)

کہ بیشک اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس آیت میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ مساجد کے آباد کار مومن ہی ہوسکتے ہیں۔ وہاں ان کو یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ یہ ان کے ایمان کی دلیل بھی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ظاہر ہے جو اسی آیت کی تفسیر میں وارد ہے:

ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا رایتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا له بالایمان فان الله یقول انما یعمر مساجد الله من امن بالله والیوم الاخر (ترمذی، ابن ماجه، دارمی)

کہ جب تم کسی آدمی کے متعلق جانو کہ وہ (خدمت اور عبادت سے) مسجد کی نگہبانی کرتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بیشک مساجد کو ایماندار ہی آباد کرتے ہیں۔

مساجد میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من غدا الی المسجد او راح اعدّ الله نزله من الجنة کلما غدا او راح (بخاری، مسلم)

کہ جو شخص صبح یا شام کو مسجد میں جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے۔ جو جنت میں صبح وشام پیش کیا جائے گا (کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور اس میں آنے والے اللہ کے مہمان ہیں)

نورِ کامل کی بشارت:

ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداوٗد میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامة

کہ ایسے لوگوں کو جو تاریکی میں مسجد کی طرف (نماز پڑھنے کے لئے) جاتے ہیں، نورِ کامل کی بشارت دو جو قیامت کے دن ان کو حاصل ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

مسجد کی حاضری رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے:

بخاری اور مسلم میں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ تلے اس دن جگہ دے گا جب کہ عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ ہی نہ ہو گا اور ان سات شخصوں میں سے ایک شخص وہ بھی ہو گا کہ جب مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا دھیان مسجد ہی کی طرف لگا رہتا ہے[1]۔

گناہوں کا کفارہ:

ترمذی میں ہے:

والکفارات المکث فی المساجد بعد الصلوٰۃ والمشی علی الاقدام الی الجماعات

کہ مسجدوں میں نماز کے بعد (اگلی نماز کے انتظار یا ذِکر الٰہی وغیرہ کے لئے) بیٹھ رہنا اور نماز با جماعت کی ادائیگی کے لئے پیدل چل کر جانا گناہوں کا کفارہ ہے۔

نیت پوری ہو گی:

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''من اتی المسجد لشیء فھو حظه'' کہ جو شخص مسجد میں جس کام کے لئے آئے گا، وہ اس کا حصہ ہے۔

یعنی اگر ثواب کی نیت سے آئے گا تو ثواب ملے گا اور اگر دنیا کا طمع حاصل کرنے یا شہرت حاصل کرنے اور نمود و نمائش کے حصول کے لئے مسجد میں آئے تو اس کی یہ خواہش بھی پوری ہو گی۔ لیکن ظاہر ہے یہ چیز صرف دنیا میں فائدہ دے گی اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہو گا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد میں دعا قبول ہو گی۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں کسی ایسے معاشرہ کے اعلیٰ و ارفع اور صالح ہونے میں کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے جس کے افراد پانچ وقت مسجد میں جمع ہو کر فریضۂ نماز ادا کرتے ہوں؟

(۲) مساجد کی تعلیمی اہمیت

اشاعِ علم میں مسجد کا کردار:

مسلم معاشرہ کے قیام کے لئے اشاعتِ علم کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور بلاشبہ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ کردار مساجد نے نہایت بہتر طریقہ سے ادا کیا۔ دورِ نبوی کی پہلی مسجد، مسجدِ نبوی تھی اور یہی مسجد ملّتِ اسلامیہ کا اوّلین مرکز قرار پائی۔ دیگر گوناگوں خصائص کے علاوہ اس مسجد کو

---

[1] الفاظ یہ ہیں۔ قبله معلق بالمسجد اذا خرج منه حتی یعود الیه (الحدیث)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

اعلیٰ ترین درس گاہ بلکہ اس دَور کی یونیورسٹی ہونے کا فخر بھی حاصل تھا۔ جہاں شب و روز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معلّمِ انسانیت سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے، خصوصاً اصحابِ صفہ تو مسجد نبوی میں رہ کر اسی کام کے لئے کمربستہ رہتے۔ اسی مسجد میں حلقہ ہائے درس یہاں منعقد ہوتے اور تشنگانِ علم دور دراز سے آکر ان علمی سرچشموں سے اپنی پیاس بجھاتے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دورِ اقتدار تک مسجد اسی اہمیت کی حامل رہی۔ اس زمانے میں خلفاء کی وابستگی بھی مساجد سے حد درجہ قائم رہی اور وہ ان کی سرپرستی کرتے رہے۔ مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے، جمعہ کے روز منبر کی زینت بنتے اور علمی مسائل حل کرکے لوگوں کو مستفید فرماتے۔ عباسی دَور میں مامون وہارون اس رعب و داب کے خلفاء تھے کہ قیصر روم ان کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتا تھا، جب نماز کا وقت آتا تو تاج و تخت سے الگ ہو کر مسجد میں آتے اور فرائضِ امامت ادا کرتے۔ الغرض تاریخِ اسلام کے مختلف ادوار میں مساجد کو امتیازی حیثیت حاصل رہی اور یہ خانہ خدا ہونے کے علاوہ بہترین درسگاہیں اور یونیورسٹیاں تصور کی جاتی تھیں۔

موجودہ زمانے میں بھی کچھ عرصہ قبل تک مسجد کو مکتب کی حیثیت حاصل رہی لیکن بالآخر لوگوں نے اس دینی مشغلہ کو کاروبار بنا لیا۔ چند نفس پرستوں اور ہوس کے بندوں نے مخلص لوگوں کو بھی بدنام کرکے رکھ دیا۔ اور نتیجۃً آج لوگ مساجد میں قائم مدارس کے نام سے بھی دور بھاگنے لگے ہیں۔ لیکن اس میں مسجد کا کوئی تصور نہیں بلکہ یہ ہماری اپنی ذہنیتوں کا قصور ہے اور اس سے مساجد کی علیمی اہمیت وحیثیت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ خلوص نیتی سے اگر کام کیا جائے تو آج بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو سکتی ہے اور ان علمی سرچشموں سے اپنی پیاس بجھا کر اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کیا جا سکتا ہے۔

(۳) مسجد کی سماجی و اقتصادی اہمیت

ایک کامیاب معاشرہ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے ہمدرد و غمگسار ہوں۔ ایک کا دکھ سب کا دکھ اور ایک کی خوشی سب کی خوشی ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر جسم کے ایک حصہ کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم اس کی وجہ سے بے چین و بے قرار رہتا ہے۔“

علاوہ ازیں قرآن مجید نے بھی قریبیوں، پڑوسیوں اور اہلِ محلہ وغیرہ سے حسن سلوک کا حکم اکثر مقامات پر دیا ہے۔ لیکن اس حکم پر عمل پیرا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اہلِ محلہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں، اور معاشرہ میں یہ کردار بھی جس خوبی اور جس شاندار طریقے سے مسجد ادا کرتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایک محلہ یا ایک گاؤں کے مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر ہر جمعہ کے روز بڑے پیمانہ پر ایک اجتماع عام ہوتا ہے۔ جس کے باعث لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونے اور ایک دوسرے کے حالات جاننے کا موقع ملتا ہے اور بالآخر یہ چیز ایک دوسرے کی ہمدردی، ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے اور باہمی مسائل کے حل کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتی ہے اور اس طرح معاشرہ ترویج و ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ دورِ نبوی اور اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے ادوار میں مسلمان صرف نماز کے لئے ہی مساجد میں اکٹھے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے تمام اجتماعی مسائل کے حل کے لئے صلاح و مشورے اور فیصلے وغیرہ بھی مساجد ہی میں ہوتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

تھے۔

آج ہم مسلمان مساجد سے دور ہونے کی بنا پر اپنے اہل محلہ، قریبیوں اور ہمسایوں سے بھی کٹ کر رہ گئے ہیں اور ہمدردی وغیرہ کے جذبات سے یکسر عاری ہوچکے ہیں۔ ہمسایہ کی خیر خیریت پوچھنا، بیماری میں اس کی تیمارداری کرنا۔ اس کے دکھ سکھ میں شریک ہونا اور مصیبت میں اس کے کام آنا تو کجا اکثر لوگوں کو اپنے ہمسایہ کے نام اور کام کے متعلق بھی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ لاتعلقی اور بے حسی تو اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ رات کو پڑوس میں کسی شخص کے ہاں چوری ہو جاتی ہے۔ یا کوئی قتل ہو جاتا ہے اور قریبی مکان والے کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی اور اگر وہ حالات سے آگاہ ہو بھی جائے تو بھی اتنی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ ہمدردی و تشفی کے چند بول ہی کہہ دے۔ مساجد میں روزانہ پانچ مرتبہ جمع ہو کر نماز پڑھنے والے افرادِ معاشرہ ان بدترین مثالوں کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

چند دیگر فوائد:

ناانصافی ہوگی اگر ہم مسجد کی سماجی اہمیت کے ضمن میں ان فوائد کثیرہ کا ذکر نہ کریں جو ایک معاشرے کو مسجد کے قیام سے صرف حاصل ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کے بغیر ایک صحیح معاشرہ پروان ہی نہیں چڑھ سکتا اور ترویج وترقی کی راہوں پر گامزن ہونے میں ناکام رہ جاتا ہے۔

پابندیٔ وقت:

وقت کی پابندی کسی قوم کی بیداری اور معاشرہ کی خوشحالی کی ضامن ہے۔ اس کے برعکس سہل انگار اور اضاعتِ وقت کے مرتکب ہونے والے افراد ایک بہتر معاشرہ کی تعمیر میں ناکام رہتے ہیں جس سے پوری قوم بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ایسی قوم کے افراد عموماً افلاس، بیماری، کمزوری اور فقر و فاقہ کے شکار ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بے جانہ ہوگا کہ ایسی قومیں آزادی کی حفاظت کرنا تو درکنار زندہ رہنے کا حق بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ اور سربلندی اور آزادی کی نعمتیں صرف ایسی قوموں کے حصہ میں آتی ہیں جن کے افراد چاق و چوبند، مستعد، وقت کی قدر کرنے والے اور ہر کام میں باقاعدگی کو اپنا شعار بنانے والے ہوتے ہیں۔ مسجد ہمیں دیگر فوائد سے مستفید کرنے کے علاوہ پابندیٔ وقت کا درس بھی دیتی ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ اوقاتِ مقررہ پر اذان دے کر لوگوں کو مسجد میں بلایا جاتا ہے کہ تمام لوگ وقتِ مقررہ پر حاضر ہو کر فریضۂ نماز باجماعت ادا کریں اور اس نمازِ باجماعت کی آنحضور ﷺ نے نہایت سختی کے ساتھ تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

> ”اگر مجھے عورتوں اور بچوں کا خیال نہ ہوتو میں اپنی جگہ کسی اور کو امام مقرر کر کے ان لوگوں کے گھروں کو جا کر آگ لگادوں جو اذان سننے کے باوجود مسجد میں نہیں آئے۔“ (احمد)
>
> (بخاری اور مسلم میں بھی یہ حدیث موجود ہے لیکن اس میں ”عورتوں اور بچوں“ کا ذِکر نہیں)

یہ فرمان اس نبیٔ عربی ﷺ کا ہے جس کے ہاتھوں کسی دشمن کو بھی کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نماز باجماعت کو جو کہ پابندیٔ وقت کے لئے بہترین ٹریننگ کی حیثیت رکھتی ہے، کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ افسوس آج مسلمان مسجد سے اپنا تعلق منقطع کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

کے اس کے فوائدِ کثیرہ اور برکاتِ وافرہ سے محروم ہوگیا ہے۔ اس کے برعکس غیر مذاہب اور غیر اقوام نے ان اسلامی چیزوں کو ٹوٹی پھوٹی شکلوں میں اپنایا اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ ہماری بدقسمتی کہ ہم نہ صرف ان چیزوں کو چھوڑ بیٹھے بلکہ آج اس بات سے بھی غافل ہوگئے ہیں کہ یہ اسلامی چیزیں ہیں اور بلا سوچے سمجھے وقت کی پابندی کو انگلش ٹائم (English Time) کا نام دیتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک امر یہ ہے کہ ہم نے اپنی چیزیں غیروں کو دے کر ان کی بری، فحش اور ذلیل عادات واطوار کو تو اپنے گلے کا طوق بنالیا ہے۔ لیکن ان میں موجود اچھے طور طریق کو۔ جو بلاشبہ ہمارے ہی مذہب کی تعلیمات ہیں۔ ان کی افادیت کے قائل ہونے کے باوجود، اپنے لیے بارِ خاطر سمجھتے ہیں[1]۔ شاید ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ ہر اس بات سے دور رہیں گے جسے اسلام سے ذرا بھی مناسبت ہوگی اور جس میں ذرہ بھر بھی اچھائی موجود ہوگی۔ آہ! ام علی قلوب اقفالها!

تنظیم (Discipline):

تنظیم کے ضمن میں وہ سب چیزیں آتی ہیں جو کسی قوم کے زندہ رہنے کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ گھر میں یا گھر سے باہر، درس گاہ ہو یا کھیل کا میدان، سفر ہو یا حضر، دفتر ہو یا مارکیٹ، زراعت کے کھیت ہوں یا صنعت وحرفت کی فیکٹریاں اور کارخانے، حالتِ امن ہو یا جنگ، حتیٰ کہ کھانے پینے، سونے جاگنے، اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بھی نظم وضبط اور ڈسپلن کا قائم رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ تنظیم کے بغیر کوئی معاشرہ نہ تو پنپ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی قوم منزلِ مراد سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔ ایسی قوم کی مثال جو نظم وضبط سے عاری ہو، اس گاڑی کی سی ہے جس کی بریکیں نہ ہو۔ جس کا کوئی راستہ متعین نہ ہو، جس کا نہ کوئی ڈرائیور ہو اور نہ ہی کوئی گارڈ یا کنٹرولر، بس اسے سٹارٹ کرکے چھوڑ دیا جائے۔ تو جس طرح اس گاڑی کا حفاظت وخیریت سے کسی جگہ پہنچنا ناممکن ہے بالکل اسی طرح تنظیم اور نظم وضبط کے بغیر کسی قوم یا معاشرے کی کامیابی کے متعلق سوچا تک نہیں جاسکتا اور اس نظم وضبط کا رس ہمیں نماز اور مساجد ہی سے ملتا ہے۔ دن میں پانچ بار نمازی مسجد میں حاضر ہوکر ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہیں اور ہر مقتدی پر یہ لازم ہے کہ امام کے اشاروں پر حرکت کرے۔ اس اقتداء میں نظم وضبط کا اندازہ ذیل کے فرمانِ نبوی سے لگائیے، فرمایا:

لا تبادروا الامام اذا كبر فكبروا واذا قال ولا الضالين فقولوا اٰمين واذا ركع فاركعوا (مسلم[2])

کہ امام سے پہل نہ کرو، جب وہ اللہ اکبر کہے، تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو اور جب رکوع کرے تو تم رکوع کرو۔

بلاشبہ یہ نظم وضبط کی بہترین ٹریننگ ہے۔ پھر یہی نہیں کہ اس بات کو محض حکماً بیان کر دیا گیا ہو بلکہ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے متعلق سخت وعید آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

أَمَا يخشى الذى يرفع راسه قبل الامام ان يحول الله راسه راس حمار

کہ کیا وہ شخص جو امام کے سر اُٹھانے سے پہلے اپنا سر اُٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر جیسا بنادے؟

---

[1] اس سلسلہ میں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس وقت یہ موضوع بحث نہیں۔
[2] بخاری میں بھی یہ حدیث موجود ہے لیکن اس میں "ولا الضالین" کا ذکر نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

اندازہ فرمائیے کہ جس معاشرہ کے افراد ایسے ہی تربیت یافتہ ہوں گے اور وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اسی نظم وضبط کو اپنا شعار بنائیں گے تو کیا اس کے کامیاب وکامران ہونے میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا زندگی کی دوڑ میں ایسی قوم سے کوئی دوسری قوم۔ جو اس سبق سے ناآشنا ہو۔ سبقت لے سکتی ہے؟ ہرگز نہیں!

اتحاد اور مساوات:

طبقاتی کش مکش اور لسانی تعصبات دنیا کی کسی بھی قوم کے لئے مفید ثابت نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ انتشار و افتراق کا باعث بن کر بالآخر تباہی اور ہلاکت پر منتج ہوئے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اس کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ قرآن کریم میں ہے:

''انما المومنون اخوۃ''(الحجرات:۱۰) مسلمان آپس میں سگے بھائیوں کی طرح ہیں۔

اور حدیث میں ہے:

لا فضل لعربی علی اعجمی ولا لا عجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لابیض علی احمر الا بالتقوٰی او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

یعنی علاقے، رنگ یا زبان کی وجہ سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں بلکہ تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔

بلاشبہ یہ وہ سبق ہے جو اتحاد، مساوات، اخوت، ہمدردی اور تعاون کے جذبات کا مرکزی نقطہ ہے۔ جس کو اپنا کر ہم دنیا میں سربلند اور باعزت ہوئے اور جس کو خیر باد کہہ کر آج ہم ایک دوسرے کی گردن کاٹنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور نتیجتاً ہمیں اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ اقوامِ غیر ہمیں ترنوالہ سمجھ کر ہڑپ کرنے پر تلی بیٹھی ہیں اور ہمارے مطلعِ حیات پر تباہی وبربادی کے بادل چھا رہے ہیں۔ اسلام نے مساجد میں نماز باجماعت کے ذریعے اس سبق کو عملی رنگ میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز!

تمام مسلمان امیر ہوں یا غریب، سفید فام ہوں یا سیہ فام، حاکم ہوں یا محکوم، تاجر ہوں یا مزدور، دراز قد صحیح الجسم ہوں یا پستہ قد اپاہج اور معذور، بینا ہوں یا نابینا، کم سن ہوں یا عمر رسیدہ، پنجابی ہوں یا سندھی، بلوچی اور پٹھان، اذان سننے کے بعد سبھی مسجد میں آجاتے ہیں اور وضو کرکے ایک دوسرے کے شانہ سے شانہ ملاتے ہیں ایک ہی امام کی اقتداء میں رب العزت کی بارگاہ میں مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سب کا مقصد ایک اور ان کے خیالات میں یک جہتی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو اخوت کا سنگ بنیاد ہے۔ ہر روز دن میں پانچ مرتبہ انہیں یہی عمل دُہرانا پڑتا ہے اور رشتۂ اخوت واتحاد مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ نماز باجماعت کے بغیر اس کا تصور بھی ممکن نہیں اور بلاشبہ اس نعمت سے وہی معاشرہ یا قوم سرفراز ہو سکتی ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

جس کا مساجد کے ساتھ نہ ٹوٹنے والا تعلق موجود ہو۔

طہارت و نظافت:

طہارت و نظافت بھی کسی قوم یا معاشرہ کے مذہب اور باعزت ہونے کی دلیل ہے جبکہ گندے اور ناپاک رہنے والے لوگ نفرت کا نشانہ بنتے ہیں[*]۔

مساجد کی وجہ سے ہمیں پاکیزگی اور صفائی کی نعمت بھی میسر ہے۔ مسجد میں نماز کے لئے آنے والے ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے وضو کرے (جس کے ساتھ مسواک مسنون ہے) بدبو دار چیز لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں نہ آئے۔ بلکہ ہو سکے تو خوشبو یا عطر وغیرہ لگا کر آئے۔ کپڑے خواہ پھٹے پرانے ہی کیوں نہ ہوں۔ پاک اور صاف ضرور ہوں۔ بنابریں نماز کی پابندی کرنے اور مسجد میں پانچ وقت حاضر دینے سے انسان میں طبی طور پر طہارت و نظافت کے احساسات کروٹ لیتے ہیں جو ایک معاشرہ کی عظمت اور سربلندی کے امین ہیں۔

الغرض نماز باجماعت ادا کرنے اور مساجد سے اپنا رشتہ جوڑ لینے میں ہمیں بہت سی ایسی نعمتیں اور فوائد میسر ہیں کہ جن کا مخلصانہ صحیح جائزہ لینے سے ہی اسلام کی حقانیت ہر ایک پر واضح ہو جاتی ہے۔ اور ہم اپنے تئیں دنیا کی کسی بھی غیر مسلم قوم سے بہتر اور برتر محسوس کرنے لگتے ہیں۔

(۴) مساجد کی سیاسی اہمیت

سیاسی نقطہ نگاہ سے بھی مسجد کو ایک نمایاں اور منفرد حیثیت حاصل ہے۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمان مساجد میں صرف نماز ہی کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کے تمام اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کے حل کے لئے صلاح و مشورے اور فیصلے وغیرہ بھی مساجد ہی میں ہتے تھے۔ ہر نماز کے بعد مجلس شوریٰ منعقد ہوتی جس میں مختلف مسائل زیر بحث آتے اور ان کے فوری تدارک کے لئے تجاویز اور پروگرام مرتب کیے جاتے تھے۔ (گویا کہ یہ اس دور کی اسمبلی بھی تھی) اسی طرح باہر سے جو وفود اور سفراء وغیرہ آتے ان سے ملاقات و مذاکرات بھی مسجد ہی میں ہوتے اور اگر کہیں لشکر کشی کا ارادہ ہوتا تو اس کے لئے بھی تجاویز مسجد ہی میں پاس کی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں تو لوگ فنونِ حرب کی مشق بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

> ''مسجد نبوی میں حبش کے لوگ گتکا کھیلتے اور میں حضور ﷺ کی اوٹ میں بیٹھ کر انہیں دیکھا کرتی تھی۔'' (بخاری بمعناہ)

دورِ نبوی اور اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں مسجد کو عدالت کی حیثیت حاصل رہی۔ مقدمات یہیں فیصل ہوتے اور مجرموں کی سزائیں وغیرہ بھی یہیں تجویز ہوتی تھیں۔ حد البتہ مسجد سے باہر لگائی جاتی تھی۔

---

[*] موجودہ دور کی مہذب اور ترقی یافتہ اقوام جن کی ہر حرکت کی تقلید کو ہم ایمان کا درجہ دیتے ہیں اس قدر گندی اور ناپاک رہنے کی عادی ہیں کہ کراہت محسوس ہوتی ہے لیکن وائے بد قسمتی کہ ہم انہیں اس معاملے میں بھی اپنا ہیرو خیال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ''محدث'' میں ایک مضمون ''روشن دور کی تاریکیاں'' کے عنوان سے پچھلے ہی ماہ شائع ہوا ہے جسے پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ غاروں میں برہنہ رہنے والا قدیم زمانے کا انسان بھی ان کی نسبت زیادہ مہذب تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سیاسی لحاظ سے مسجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امیر المؤمنین کی خلافت کے لئے مسجد کی امامت کو دلیل پکڑا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جو آنحضرت ﷺ کے بعد پہلے خلیفہ ہیں، کی خلافت کے لئے مسلمانوں کے نزدیک ایک سند یہ بھی تھی کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی امامت کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے اپنی عدم موجودگی یا بیماری کے ایام میں آپ ہی کو امام مقرر فرمایا تھا۔

غزوات میں آنحضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ اگر کہیں حملے کا ارادہ فرماتے تو رات بھر انتظار کرتے۔ صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی، وہاں حملہ کرنے سے روک دیتے۔ چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ کے کانوں میں ایک طرف سے "اللہ اکبر" کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا:

"فطری شہادت ہے۔" اس کے بعد آپ نے "اشہد ان لا الہ الا اللہ" کی آواز سنی تو فرمایا، "آگ سے نجات ہوگی۔" (صحیح مسلم)

تمام مجاہدین کو بھی آپ ﷺ کا یہی حکم تھا:

اذا رایتم مسجدا او سمعتم صوتا فلا تقتلوا احدا (ترمذی۔ ابوداؤد)

کہ اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

مندرجہ بالا توضیحات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مسجد کو دینی، تعلیمی، معاشرتی اور سماجی اہمیت کے علاوہ سیاسی لحاظ سے بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دینِ اسلام کی بنیاد ہی مسجد پر رکھی گئی ہے۔ مسجد ہمارا دینی شعار ہے۔ اور کسی قوم کی زندگی اس کے شعار ہی سے وابستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر آج ہماری مسجدیں آباد اور پر رونق ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہم غیرتِ اسلامی، اور حمیتِ دینی موجود ہے ورنہ۔ مفقود!

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینی مدارس کی اصلاح!

بسلسلہ "دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر"

حافظ عبد الرشید اظہرؔ (سلفی) قسط نمبر:۳

قارئین کرام پہلی دو قسطوں میں دینی مدارس میں زیرِ تدریس علوم و فنون کا تاریخی ارتقاء و انحطاط اور ان کی مروجہ نصابی حیثیت پر ہمارا ناقدانہ تبصرہ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب میں اسلامی تعلیم کے صحیح مقصد کی روشنی میں چند بنیادی اصلاحی تجاویز پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اربابِ فکر اور اصحابِ مدارس ان کا ماہرانہ جائزہ لے کر انہیں عملی جامہ پہنانے کی سعی مشکور کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو! آمین

مرکزی فکر:

میرے مضمون کا مرکزی فکر یہ ہے کہ دورِ حاضر میں دین و دنیا کے امتیاز اور تعلیم پر سامراجی اثرات چھا جانے کی وجہ سے جس دوئی ❀ نے جڑیں پکڑلی ہیں، جس کے نتیجہ میں معاشرہ دو الگ الگ متصادم راہیں اختیار کر چکا ہے۔ اس کو کیسے ختم کیا جائے اور ان و "دین پسند" اور "دنیا پرست" طبقوں میں وحدت پیدا کر کے کس طرح ان کو انسانیت کے صحیح نصب العین پر گامزن کیا جائے۔ تاکہ کتاب و سنت کی تعلیم سے جہاں دنیاوی زندگی کے لئے کامیاب راہنما پیدا ہوں وہاں عصری تعلیم سے آراستہ ایسے ماہرین اور صاحبِ فن تیار ہوں جو مادی ترقی میں برتری حاصل کر کے دنیا میں اللہ کے دین کی سرفرازی کا باعث بنیں۔ دین و دنیا میں اگر کوئی نظری فرق ہے تو صرف اس قدر کہ دنیا ایک زندگی ہے اور دین اس کا ضابطہ ورنہ عملی اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔

تعلیم میں دنیا اور دین کی ثنویت (دوئی) کی وجہ سے ایک طرف دین پسند طبقہ معاشرتی اور تمدنی مسائل سے آنکھیں بند کر کے اپنی مساعی کو مسجد تک محدود رکھے ہوئے ہے اور روز بروز جزوی اور فروعی مسائل کے اختلاف کو اُبھارنے سے تعصب اور فرقہ پرستی کا شکار ہو کر تشتت و افتراق میں بڑھ رہا ہے اور دوسری طرف دنیا پرست طبقہ دین کو قدامت پرستی اور رجعت پسندی قرار دے کر اپنی مادی زندگی میں مگن ہوا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک ناپ سے پیدا کر کے نہ صرف نسلی وحدت دی بلکہ اپنی ذی عقل ناری اور نوری مخلوق جن و ملائکہ سے آدمؑ کو سجدۂ تعظیمی کرا کے ہمیں اعلیٰ و برتر مقصدِ حیات کا امین بنایا گویا کہ کُل کائنات انسان کے لئے پیدا فرما کر اسے اپنے لئے چن لیا۔

ہم نے تعلیمی اصلاح کے لئے اولین حیثیت دینی مدارس کو اس لئے دی ہے کہ تعلیم میں بنیادی چیز مقصد ہے اور ہمارے دینی مدارس تمام تر زبوں حالی اور زمانہ کے تقاضوں سے تغافل برتنے کے باوجود جس نصب ُالعین کو سامنے رکھے ہوئے ہیں وہی انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے جبکہ دنیاوی مدارس ترقی کے بلند بانگ دعوؤں اور روشن خیالی کے زعم کے باوجود ابھی تک یہ نہیں جان سکے کہ تعلیم کا اصلی مقصد کیا ہے؟ کیا انسان صرف اس لئے پیدا ہوا

❀یعنی دینی اور دنیاوی صورت میں تعلیم کی دو قسموں

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

ہے کہ دو وقت روٹی پیٹ بھر کر کھالے یا لباس، سواری اور عمارات میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کر کے اس پر فخر ومباہات کے نعرے لگا سکے۔ لہٰذا دینی مدارس میں صحیح نصب العین کی موجودگی ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے پہلے انہیں اپنی کوششوں کا محور بنایا جائے۔

تعلیم کا مقصد:

تعلیم کا مقصد وہی ہے جو انسانی زندگی کا مقصد ہے یعنی تعلیم ہی انسان کو اس کے مقصد کی راہ دکھاتی ہے اور تعلیم وہی صحیح ہے جو انسان کو اس کے مقصدِ زندگی سے واقف کر کے اس پر گامزن کر دے۔ انسانی زندگی کا مقصد بلاشبہ حق کی عبودیت ہے جس کا اظہار انسان اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق (اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے مطابق) پورے کر کے کرتا ہے۔ اور مکمل عبودیت یہ ہے کہ انسان نہ صرف یہ کہ خود اس پر راسخ ہو جائے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر گامزن کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے کیونکہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے کوئی شخص خود اس وقت تک صحیح رستے پر مکمل طور پر کاربند نہیں رہ سکتا جب تک کہ سارے معاشرے کا تعاون اور دوڑ اسی نصب العین کی طرف نہ ہو، جس کی طرف وہ خود رواں دواں ہے۔ انہی انفرادی اور اجتماعی طریقوں کی واقفیت صحیح تعلیم ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین کو ہمارے لئے ضابطہ بنا دیا ہے۔ لہٰذا ہر قسم کی تعلیم خواہ وہ اللہ کے حقوق بتائے یا بندوں کے، وہ دین ہے اور یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں کہیے کہ تعلیم انسان کے لئے (اپنے بھائیوں کے تعاون کے ذریعہ) کلمۃ اللہ کی بلندی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے طریقوں سے واقفیت کا نام ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں اسلامی تعلیم مادی تعلیم سے کٹ کر اپنا ایک ٹھوس مقصد متعین کر لیتی ہے جس کے بغیر دنیا ومافیہا سے واقفیت بھی جہالت ہے۔ رضا الٰہی کے عظیم مقصد کے تعین کے بعد ہماری کامیابی اور ناکامی کے پیمانے بھی بدل جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر ذمہ داریاں ان کی صلاحیت کے مطابق ڈالی ہیں اس لئے سرفرازی یہ نہیں ہے کہ اس رزمگاہِ حیات میں کس نے اللہ اور بندوں کے حقوق کی زیادہ حفاظت کی بلکہ یہ ہے کہ اپنی طاقت اور صلاحیت سے بھرپور فائدہ کس نے اُٹھایا؟ جو اس لحاظ سے بڑھ گیا وہ انسانیت اور اس کے مقصد میں برتری حاصل کر گیا۔

کس قدر افسوسناک ہے یہ امر کہ آج تعلیم کا مقصد صرف رزق اور ملازمت کی تلاش تک محدود ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ اس کا مقصد انسانیت سے واقفیت ہے اور انسانی زندگی کا مقصد قطعاً رزق نہیں بلکہ رزق تو زندگی کو ایک اعلیٰ تر مقصد کے لئے رواں دواں رکھنے کے لئے ایک وسیلہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے!

خوردن برائے زیستن ہ زیستن برائے خوردن

یعنی کھانا پینا تو زندہ رہنے کے لئے ہے نہ کہ زندگی کھانے پینے کے لئے۔

لہٰذا تعلیم جیسی اعلیٰ چیز کو محض زندگی کے ایک وسیلہ کے لئے وقف کر دینا بہت بڑی جہالت ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ زندگی کی اور بہت سی ضروریات کی طرح رزق بھی ایک اہم ضرورت ہے اور اسے حاصل کرنا اسلام کی نظروں میں مستحسن ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ علم

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کل کائنات پر شرف کا سبب بنایا۔ (واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو کچھ نام سکھا کر فرشتوں کے روبرو پیش کر کے کہا تھا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب وہ نہ بتا سکے تو آدم نے سب کے نام بتائے اس پر سب فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔ قرآن کریم (البقرہ: ۱۳۔۳۳) اسے اس سفلی مقصد کے لئے قربان کر دیا جائے۔ اس طرح سے تو علم رزق سے بھی کم تر ہو جائے گا کیونکہ وہ رزق کا ذریعہ بنے گا اور رزق صرف انسان کو نہیں ہر جاندار بلکہ نباتات اور جمادات تک کو حاصل ہے تو کیا ایسا علم جو رزق سے فروتر اور اس کے حصول کا ذریعہ ہو، انسان کو مسجود الملائکہ بنا کر اشرف المخلوقات کے بلند مقام پر فائز کر سکتا ہے۔

اسلام کی نظر میں، علم خواہ دنیا میں زندگی گزارنے اور انسانوں کے فائدہ کے لئے تسخیر کائنات سے متعلق ہو یا اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے تعلق رکھتا ہو۔ جسے ہم دنیاوی اور دینی علم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس وقت تک انسانی شرف کا باعث بنتا ہے، جب تک کہ عبودیت کی تکمیل اور رضاءِ الٰہی کی تحصیل کا ذریعہ یا معاون ہو ورنہ اس علم سے جہالت بہتر ہے کیونکہ ممکن ہے اللہ کے ہاں جہالت معذرت بن جائے لیکن ایسا علم تو وبال ہو گا کہ اس کے حصول کے باوجود بھی اس سے خدا پرستی کا فائدہ نہ اُٹھایا۔

اس ساری بحث سے مقصود یہ ہے کہ تعلیمی اصلاحات میں اولین چیز مقصد اور پھر دوسرے نمبر پر اصلاح ہے۔ باقی چیزوں کا درجہ اس کے بعد کیونکہ جب تک مقصد درست نہ ہو گا کسی چیز کی اصلاح نہ ہو گی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

لہٰذا ہم دینی مدارس میں اس نصب العین کی بقاء کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ عرض کا ناضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے اکثر دینی مدارس نادانستہ طور پر اسے چھوڑتے چلے جا رہے ہیں یا دوسری چیزوں کی اس میں ملاوٹ کر رہے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ مثلاً آج کل دینی مدارس کے متعلقین میں اس بات کا بڑا احساس اور واویلا ہے کہ دینی علم کو دیا بنانے کا ذریعہ کیسے بنایا جائے؟ حالانکہ جس دن یہ چیز دینی مدارس میں جاگزیں ہو گئی اسی دن ''صحیح نصب العین کے بقاء'' کی نعمت ان سے چھن جائے گی اور ان مدارس کی رہی سہی اہمیت بھی جاتی رہے گی۔ واضح رہے کہ ہم اس بات کے حق میں نہیں کہ علماء اسلامی معاشرہ کے فقدان اور اسلامی حکومتوں کی سرپرستی سے محرومی کے بعد اپنے رزق کے سلسلہ میں بے فکر ہو جائیں یا دوسروں کے دست نگر بن جائیں کیونکہ ان چیزوں کے مفاسد شدید تر ہیں لیکن یہ بھی انصاف نہیں ہے کہ خود اسلام کے داعی اور انسانیت کے بہی خواہ دوسروں کی اصلاح کرنے کی بجائے اپنی ہی مالی مجبوریوں میں اعلیٰ نصب العین سے ہٹ جائیں۔ اگر یہ قائم نہ رہیں گے تو پھر کیا عوام اسے قائم رکھیں گے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ اس شرف کی حفاظت کرتے ہوئے اس سلسلہ میں ایسے ذرائع سوچے جائیں جس سے دین کے راہنما نصب العین کی بقاء کے ساتھ اپنی مالی احتیاج کا علاج کر سکیں۔ ہم ان شاء اللہ کسی صحبت میں اس سلسلہ میں بھی چند تجاویز عرض کریں گے۔

دوسری چیز جو دینی مدارس کے لئے قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا نصب العین شریعتِ الٰہیہ کی روشنی میں انسانی زندگی کے پیچیدہ راستوں سے واقفیت اور ان سے خلاصی نیز دوسروں کو ان سے خبردار کرنا اور ان سے چھٹکارا دلانا ہے لیکن آج کل اکثر دینی مدارس اس بنیادی مقصد سے ہٹ کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں ہیں اور مختلف گروہ بندیوں اور جکڑ بندیوں کی بناء پر جزوی سے جزوی بات کو باعثِ نزاع بنا کر اپنی جملہ مساعی کو اسی پر وقف کیے ہوئے ہیں حالانکہ فکری اختلافات کو حل کرنے کے لئے جزوی مسائل کو مناظرہ ومباحثہ کا رنگ دینے کے بجائے اگر علمی وسعت اور وسعتِ ظرفی سے کام لیا جائے تو نہ صرف ان مسائل سے صحیح واقفیت حاصل ہو جائے گی۔ بلکہ اس اختلاف کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجائے گی جس سے اگر یہ اختلاف باقی بھی نہ رہا تو چنداں مضرنہ ہو گا بلکہ علم وفکر جان ہو گا۔ لہٰذا دینی مدارس میں اعتقادی یا عملی مسائل کے اختلافات میں ترجیح کا طریقہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ فلاں گروہ کا مذہب ہے اور یہ فلاں کا یا یہ ہماری دلیل ہے اور وہی راجح ہے۔ (اس سلسلہ میں عام طور پر دوسرے کے دلائل کو واضح ذکر نہیں کیا جاتا) بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ طلبہ کے لئے ہر نقطہ نظر کے تفصیلی دلائل رکھ دیئے جائیں اور ان کا بے لاگ مقارنہ کر کے اپنی طرف سے ترجیحی رائے ظاہر تو کر دی جائے لیکن طلبہ کو اس پر مجبور نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں مدارس میں مباحث صرف مشہور جزوی مسئلوں تک محدود نہیں رہنی چاہئیں۔ بلکہ الاہم فالاہم کے اصول کے تحت اصولی اور بنیادی مسائل خصوصاً جن کا عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے ضرور زیرِ بحث آنے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں جن علوم ومسائل کی دینی مدارس میں کمی محسوس ہوتی ہے ان کا ذِکر آئندہ آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ارزاں بشر کا خون ہے گراں ہے اناج آج

عبدالرحمٰن عاجزؔ

پہلو میں درد قلب میں ہے اختلاج آج	کرنا ہے اے نگاہِ کرم کر علاج آج
شاید نہ اس کے بعد کوئی ہاتھ اُٹھ سکے	رکھ لے کسی کے دستِ دعا کی تو لاج آج
اک حسن منتظر ہے کہ کل کل پہ ہے بضد	اک عشق منتظر ہے کہ کہتا ہے آج آج
فصلِ خزاں میں جس غمِ دل سے بہار تھی	باقی نہیں ہے اس غمِ دل کا رواج آج
بازارِ زندگی کے کُل آئین بدل گئے	ارزاں بشر کا خون ہے گراں ہے اناج آج
اغوا و قتل و سود و زنا و شراب و رقص	زوروں پہ چل رہا ہے یہی کام کاج آج
دنیا میں آج غیرتِ مسلم کو کیا ہوا	من مانی کر رہا ہے یہاں سامراج آج
تو کل مرے گناہ و خطا کا نہ کر شمار	اس کے سوا نہیں ہے کوئی احتیاج آج
عاجزؔ پہنچ کے نقشِ کفِ پائے یار پر!	گردوں نشیں ہے خاک نشیں کا مزاج آج

رابطہ عالم اسلام کے سلسلہ میں

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے کلامِ اقبال کا عربی ترجمان

جناب سفیر اختر راہی (ایم۔اے)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے حسرت آمیز انداز میں کہا تھا ؎

عرب ز نغمہ شوقم ہنوز بے خبر است

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عالمِ عرب کو اقبال کے نغمۂ شوق سے باخبر کرنے کے لئے دن رات ایک کر رکھا تھا۔ ان ہی درد مند اور باہمت افراد کی کوششیں ہیں کہ آج عالمِ عرب کی علمی مجالس کلامِ اقبال سے گونجتی ہیں۔ اہلِ نظر اقبال کے نغمۂ شوق سے فیض پاتے ہیں اور عوام مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے مبلّغ کے مجاہدانہ افکار سے ولولۂ تازہ حاصل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے مصر کے علمی خانوادہ عزام میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباءواجداد حجاز سے ترک سکونت کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ دینداری، حق گوئی وبے باکی، قومی حمیت اور عربی نخت میں خانوادۂ عزام اپنی مثال آپ تھا اور آج بھی اپنی روایات قائم رکھے ہوئے ہے۔ ان کے چچا عبد الرحمٰن عزام عالمِ عرب کی مشہور ومعروف شخصیت ہیں۔ عبد الرحمٰن صاحبِ سیف و قلم ہیں۔ انہوں نے طرابلس میں سنوسیوں کے شانہ بشانہ برسوں میدانِ کارزار میں تلوار کے جوہر دکھائے اور جب پچیس تیس برس قبل مصر میں "مصری قومیت" اور "فرعونی تہذیب" پر فخر کیا جانے لا، محمد حسین ہیکل اور طٰہٰ حسین جیسے ادیب فرعونی قومیت کے علمبر دار تھے تو عبد الرحمٰن عزام اس یلغار کے خلاف قلم بکف میدان میں آ گئے۔ انہوں نے اسلامی تہذیب اور اسلام کے تصورِ قومیت کو اجاگر کیا۔ مختصر یہ کہ عبد الرحمٰن عزام قلمکاری ہو یا ڈپلومیسی اور چاہے میدانِ جہد وغا ہی کیوں نہ ہو ہر جگہ اپنے خاندان کی روایات کے امین تھے۔

عبدالوہاب عزام بے نے مصر کی دینی روایات کے مطابق پہلے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ جامعہ ازہر میں داخلہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ طالبِ علم قرآنِ مجید کا حافظ ہو۔ بعد ازاں جامعہ ازہر میں داخلہ لیا اور چند سالوں کی ابتدائی تعلیم کے بعد "كلية القضاء الشرعي" میں تعلیم پانے لگے۔ یہ اپنے وقت کی قابلِ فخر درسگاہ تھی جہاں مصر کے عہدۂ قضاوعدالت کی اصلاح کے لئے روشن ضمیر قاضی تیار کیے جاتے تھے۔ یہاں قدیم وجدید کا حسین امتزاج تھا۔ اور قاضی کی نگاہ میں اسلامی نظامِ عدالت کی نکھری ہوئی صورت موجود ہوتی تھی۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد اسی درسگاہ میں فرائضِ تدریس انجام دینے لگے۔

امیر فواد نے (جو اس وقت ولی عہد تھے) جامعۃ الفواد الاوّل کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی۔ عزام بے نے یہاں سے بی۔ اے کیا اور لندن کے مصری سفارت خانے میں ملازم ہو گئے۔ فرائضِ منصبی کی ادائیگی ساتھ ساتھ لندن یونیورسٹی میں ایم۔ اے فارسی کی جماعت میں داخلہ لے لیا اور امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ عالم عرب میں فارسی زبان جاننے والے بہت کم ہیں۔ عبدالوہاب عزام کا یہ خاص امتیاز تھا کہ انگریزی، ترکی اور عربی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

سات فارسی زبان میں عالمانہ دستگاہ انہیں حاصل تھی۔ واپس مصر آکر جامعہ فواد سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہوئے۔ ترقی کرتے کرتے کلیۃ الادب (آرٹس کالج) کے پرنسپل مقرر ہوئے جو جامعہ کا سب سے بڑا کالج تھا۔ کچھ دن وائس چانسلر کی نیابت بھی کی۔ گویا حصولِ تعلیم کے بعد عمر کا زیادہ تر حصہ تعلیم و تدریس میں گزارا۔

۵۰۹ء یا ۵۱۹ء میں انہیں دوبارہ سفارتی ذمہ داریوں کے لئے چنا گیا۔ پہلے سعودی عرب اور بعد ازاں پاکستان میں اپنی مملکت کے سفیر مقرر ہوئے۔

علامہ اقبال کے کلام سے دلچسپی:

لندن یونیورسٹی میں انہوں نے ایک صوفی شاعر کی حیثیت سے اقبال کا نام سنا مگر ان دنوں ان کی انگریزی اتنی کمزور تھی کہ اپنے ہم جماعتوں کی گفتگو سے اقبال کی صحیح معرفت حاصل نہ کر سکے۔ قاہرہ میں محمد عاکف بے ترکی کے شاعر اسلام مقیم تھے اور عزام بے سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ عاکف کو افغانستان سے ترکی کے سفیر نے "پیامِ مشرق" کا ایک نسخہ بھیجا تھا۔ عاکف نے بہت سے شعروں کے سامنے اپنے ذوقِ نظر کے مطابق "نفیس" اور "انفس" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ یہ نسخہ عزام بے کی نظروں سے گزرا۔ بعد میں مثنوی اسرار و رموز دستیاب ہوئی۔ دونوں دوستوں نے اجتماعی مطالعہ کیا۔ عزام بے شاعر انسانیت اقبال سے بہت متاثر ہوئے اور اقبال پر لکھنا شروع کیا۔

برصغیر ہندوپاک کا سفر:

۱۹۴۷ء میں ایشیائی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان آئے۔ تقسیم ملک کی وجہ سے حالات نہایت خراب تھے تاہم ڈاکٹر عزام گیارہ گھنٹے کا سفر کرکے شہر اقبال میں وارد ہوئے، اقبال کے آثار دیکھے اور قبر پر حاضری دی پھر اقبال کو ان الفاظ میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا:

عربی یهدی لروضك زهرا

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عرب آپ کے روضے کے لے چند پھول پیش کرتا ہے اور چونکہ یہ گلہائے عقیدت قرآن کی زبان میں ہیں، اس لئے یہی حقیقی "ارمغانِ حجاز" ہیں۔ انہیں قبول فرمایئے۔

کلامِ اقبال کے تراجم:

پاکستان میں بطورِ سفیر مقرر ہو کر آئے تو کلامِ اقبال کے ترجمے کا موقع ملا۔ "پیامِ مشرق" کا ترجمہ "رسالۃ الشرق" ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ پھر "ضربِ کلیم" کا ترجمہ ۱۹۵۳ء میں منصۂ شہود پر آیا۔ اگلے سال ۱۹۵۴ء میں ایک بہترین تخلیق "اقبال ان کی شاعری، زندگی اور فلسفہ" کے نام سے ترتیب دی۔ مثنوی اسرار و رموز کا ترجمہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اشاعت پذیر ہوا۔

ڈاکٹر عزام بے عالمِ عرب میں اقبال کے واحد ترجمان تو نہ تھے۔ البتہ پہلے ترجمان ضرور تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے عمرِ عزیز

کے آخری س سال افکارِ اقبال کی اشاعت میں گزارے۔ انہوں نے محبوب بیٹی "ہالہ" کو خطوط لکھے جن کا ایک حصہ چھپ چکا ہے۔ انہوں نے "ہالہ" کو ایسی خاتون بننے کی تلقین کی ہے جو اقبال کے مثالی وجود "مادراں را اسوۂ کامل بتول" کے نقشِ قدم پر چلے۔

ڈاکٹر اقبال کے کلام کو عربی زبان میں منتقل کرنے والوں میں عمر بہاء الامیری (شام) امیرہ نور الدین (عراق) صاوی شعلان (مصر) اور امین مصری (یمن) بھی شامل ہیں۔

بغداد کی نوجوان شاعرہ امیرہ نور الدین نے زیادہ تر اقبال کی اردو نظموں کے ترجمے کیے ہیں اور اردو زبان کی جملہ باریکیوں کو ترجمے میں قائم رکھا ہے۔ امیرہ نور الدین فارسی زبان پر کامل عبور رکھتی ہے اور اردو سے بھی شناسا ہے۔ عزام بے فارسی سے آگاہ تھے اور انہوں نے شاہنامہ فردوسی کی تصحیح و تکمیل بھی کی تی مگر فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی بلکہ علمی اور اکتسابی زبان تھی۔ امیرہ کے لئے فارسی بمنزلہ مادری زبان کے تھی۔ اسی لئے ڈاکٹر عزام کو احساس تھا کہ امیرہ نور الدین نے بعض قطعات اور اشعار کا ترجمہ اس احسن انداز سے کیا ہے کہ شاید وہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ مثنوی اسرار و رموز میں انہوں نے "سرِّ شہادت" اور "تذکرۂ بتول" کے اشعار اس لئے ہی چھوڑ دیئے تھے۔ ڈاکٹر عزام کے تراجم میں "مسجد قرطبہ" شاہکار ہے۔ انہوں نے ترجمے میں اصل نغمگی اور موسیقیت کو بقرار رکھا ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ قوافی تک یکساں رہیں۔

مجلسِ قلندرانِ اقبال:

ڈاکٹر موصوف کو اقبال سے جو عقیدت تھی وہ مندرجہ بالا سطروں سے واضح ہے۔ قیامِ پاکستان کے دوران انہوں نے "قلندرانِ اقبال" کے نام سے ایک ننھی سی جماعت بنائی تھی جس کا ہفتہ میں ایک اجلاس ہوتا تھا اور قلندر تعلیماتِ اقبال پر گفتگو کرتے تھے۔ اس مجلس میں ضربِ کلیم، بالِ جبریل، ارمغانِ حجاز (اردو حصہ) جاوید نامہ، اسرار و رموز اور بانگ درا (چیدہ چیدہ) لفظاً لفظاً پڑھی گئیں۔ ۱۹۵۴ء کے آخر میں پاکستان سے جانے کے بعد جدّہ میں "مجلسِ قلندرانِ اقبال" کی تجدید کی۔

بین الاقوامی کلوکیم میں شرکت:

۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بین الاقوامی مجلس مذاکرہ ہوئی، جس میں مشرق و مغرب کے علماء و فضلاء نے شرکت کی۔ غیر مسلم مستشرقین میں بوسانی، فلپ، کے ہتی، شاخت اور کینٹول سمتھ جیسے لوگ شریک ہوئے۔ مصر کی نمائندگی شیخ ابو زہرہ اور ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کر رہے تھے۔ پاکستان تو مہمان نوازی کر ہی رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر موصوف نے مشرق و مغرب کے درمیان حسین رابطہ قائم کئے رکھا۔ ایک اجلاس کی صدارت بھی انہوں نے کی۔ اسی اجلاس میں شام کے منوب بہاء الامیری نے امنِ عالم کے سلسلے میں پہلے فلسطین اور پھر کشمیر کا اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ "جب تک ان امور کا فیصلہ نہیں کیا جاتا دنیا میں پائیدار امن کا قیام ناممکن ہے۔" کشمیر کا نام سننا تھا کہ بھارت کے مندوب ڈاکٹر امیر علی دکّنی تلملا اُٹھے اور کہنے لگے کہ "اس مذاکرہ میں ایسی باتوں کا ذکر نہیں آنا چاہئے۔" ڈاکٹر موصوف سرد مزاج اور متین ہونے کے باوجود کہہ اُٹھے کہ "اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں، ہم کشمیر کا نام لیں گے اور ضرور لیں گے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

سفارت کے بعد:

سفارت کی ذمہ داریوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ سعودیونیورسٹی ریاض کے قیام میں مصروف تھے اور ایک مقالہ لکھ رہے تھے جس میں اقبال اور ابو الطیب متنبی کا موازنہ کرنا چاہتے تھے اور ان دونوں شاعروں کے کلام کی خوبیاں اجاگر کرنا چاہتے تھے مگر موت کے بے رحم ہاتھوں نے یہ یادگاری کام نہ ہونے دیا اور ریاض میں ۲۳ء جنوری ۵۹ کو ان کا انتقال ہو گیا۔

تصانیف:

کلامِ اقبال کے تراجم کے علاوہ ان کے کئی بیش قیمت مضامین اور کتابیں یادگار ہیں۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم جیسے عربی زبان کے ادیب کی رائے ہے کہ ڈاکٹر موصوف کا عرب کے چند چوٹی کے لکھنے والوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ ان کی انشاء کا قالب خالص عربی ہے۔ ان کی اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

1. الرحلات (دو جلد) مختلف ملکوں کی سیر وسیاحت اور اس کے تاثرات پر مشتمل سفر نامہ ہے۔
2. الاواب: متفرق مضامین کا مجموعہ ہے انداز تحریر شاعرانہ ہے۔
3. ذکریٰ ابی الطیب بعد الف عام: مشہور شاعر متنبی کی ہزار سالہ برسی (۱۳۵۶ھ) پر اس کے حالات اور کلام پر تبصرہ ہے۔
4. مجالس السلطان الغوری: سلطان غوری مصر کے مملوک سلاطین کا اہم فرد تھا۔ اس کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ دسویں صدی ہجری میں مصر کی تاریخ پر نہایت اہم کتاب ہے۔
5. الشاہنامہ (عربی) کی تصحیح: شاہنامہ فردوسی کے ایک قدیم عربی ترجمہ کی تصحیح و تکمیل کی۔ آغاز میں فردوسی اور شاہنامہ پر مفصل مقدمہ شاملِ کتاب ہے۔
6. التصوف و فرید الدین العطار (عطار اور ان کا تصوف)
7. شرح دیوان المتنبیٰ
8. شرح کلیلہ و دمنہ
9. ترجمہ چہار مقالہ
10. الشوارد (ڈائری)　　　ان پر مستزاد ترکی زبان سے بعض تراجم ہیں۔

تعارف و تبصرۂ کتب

خواجہ عبدالمنان راز ایم۔ اے۔

نام کتاب:	جائزہ مدارسِ عربیہ، مغربی پاکستان
سائز:	۸/۲۷x۱۷
ضخامت:	۸۰۳: صفحات
قیمت:	بائیس (۲۲) روپے
ملنے کا پتہ:	مسلم اکادمی ۲۹ / ۱۸ محمد نگر علامہ اقبال روڈ لاہور

''جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان'' موضوع کے لحاظ سے ایک ایسی کتاب ہے جسے کاروباری نقطہ نظر سے شائع کرنے کا کوئی شخص حوصلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کام کے لئے کوئی انتہائی مخلص شخص ہی جو خود مدارسِ عربیہ کی ضرورت اور افادیت سے واقف ہو اور دوسروں پر اس کی افادیت و اہمیت واضح کرنا چاہتا ہو، حوصلہ کرے گا۔ بالفاظ دیگر حافظ نذر احمد صاحب جیسا بے لوث انسان ہی یہ جوئے شیر لانے کے لئے تیشہ اُٹھا سکتا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ایسی دستاویزی اور معلوماتی کتب سرکاری سرپرستی میں شائع ہوتیں مگر افسوس ہے کہ سرکاری سطح پر مختلف اداروں اور محکموں سے متعلق تفصیلات و معلومات تو کتب کی صورت میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ year look پر کثیر رقم خرچ کی جاتی ہے لیکن مدارسِ عربیہ کے موضوع کو ان کی معاشرتی اور دینی عظمت کے باوجود درخور اعتناء نہ سمجھا گیا، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ انہی مدارس سے ایسی ایسی نامور اور نادر روزگار ہستیاں فارغ ہو کر نکلیں جنہوں نے اقطارِ عالم میں علم و فن کے چراغ روشن کیے، زندگی کے مختلف شعبوں میں حیرت انگیز انکشافات اور ایجادات کیں کہ انہی کو بنیاد بنا کر اور انہی سے رہنمائی حاصل کر کے آج اقوام علوم و فنون کے میدان میں ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں۔

''جائزہ مدارس عربیہ'' یقیناً موجودہ لادینی دور میں موضوع کے لحاظ سے ایک خشک کتاب ہے۔ کاروباری لحاظ سے خسارے کا سودا ہے لیکن اگر تحقیقی میدان میں اہل علم موضوع کی دلچسپی اور رنگینی اور مالی منفعت کو معیار قرار دے لیتے تو آج نہ دنیا کا جغرافیہ مرتب ہوتا، نہ ریاضی و شماریات کا وجود ہوتا اور نہ ہی نباتات و جماعات کے فوائد و خواص سے دنیا کو واقفیت ہوتی۔

دینی لحاظ سے مدارسِ عربیہ کی اہمیت کا اندازہ اس اعلیٰ ترین مقصد سے کیا جا سکا ہے جس کی بنیاد پر یہ مدارس قائم کئے جاتے ہیں۔ وہ مقصد کتاب کے مرتب کے الفاظ میں یوں ہے:

''مدارسِ عربیہ کے اساتذہ اور تلامذہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ علومِ اسلامیہ تعلیم، حق تعالیٰ کی عبادت اور وراثتِ انبیاء ہے۔ یہ تعلیم ان کے دین و ایمان کی امانت اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہے۔''

آج اسلام خواہ ایک نظریہ کی حیثیت سے ہے۔ اگر زندہ ہے تو محض انہی مدارس کے طفیل زندہ ہے۔ سرکاری اعانت و معاونت سے محروم بلکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

مخالفت و حوصلہ فرسائی کی فضا میں ان مدارس نے دینِ قیم کی شمع کو روشن کر رکھا ہے۔ روکھی سوکھی کھا کر، ٹوٹی پھوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن و حدیث، فقہ و کلام، تاریخ و سیر، صرف و نحو، بلاغت و ادب، منطق و فلسفہ اور ہیئت و ہندسہ جیسے دقیق علوم و فنون میں دسترس حاصل کرنا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ یہ وہ کام ہے جو جدید تعلیمی ادارے بھرپور سرکاری سرپرستی کے باوجود نہیں کر سکے۔ اس کتاب میں ایسے ہی ۸۹۳ مدارس عربیہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔ حالانکہ پوری تگ و دو کے باوجود اس فہرست کے مکمل ترین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً کئی اہم مدارس حافظ صاحب موصوف سے بروقت تعاون نہ کرنے کی بنا پر رہ گئے ہیں جیسا کہ انہوں نے ایسے مدارس کی ضلع وار فہرست ایسے ہر Chapter کے اختتام پر دے دی ہے جن کو سوالنامہ بھیجا گیا لیکن جواب موصول نہ ہوا۔ اسی طرح کئی ایسے مدارس بھی رہ گئے ہیں جن کی اطلاع نہ مل سکی یا مرتب موصوف ہی سے ذہول ہو گیا مثلاً گوجرانوالہ میں جمعیت اہلحدیث کا بہت اہم مدرسہ جامعہ محمدیہ سابقہ مدینۃ العلم یا جامعہ شرعیہ جی۔ٹی۔ روڈ جو اپنی عظیم الشان عمارات میں شان و شوکت سے چل رہا ہے۔ مسلم اکادمی کے جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان کے دونوں ایڈیشنوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ایسی چند ایک فروگزاشتوں کے باوجود کتاب ہر لحاظ سے بہت جامع ہے۔

حافظ نذر احمد صاحب کی سعی و کاوش کا صحیح اندازہ تو اصل کتاب کے مطالعہ اور متنوع مباحث کی اہمیت کے مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے تاہم تبصرے میں چند ایک جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

مدارس کا تعارف صوبہ وار اور ضلع وار کرایا گیا ہے۔ مثلاً صوبہ پنجاب میں ۳۶۴ مدارس ہیں جن میں سے ۲۱۴۶۵ طلباء ۲۰۶۳ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے اعداد و شمار مہیا کئے گئے ہیں۔ مسلک کے لحاظ سے مدارس کی الگ الگ تعداد دی گئی ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے اور پھر ہر دس سالہ تدریجی ارتقا کا نقشہ ضلع وار مرتب کیا گیا ہے۔ دار الکتب، دار الاقامۃ، کتابوں اور مقیم طلباء کی تعداد مہیا کی گئی ہے۔ مختلف اضلاع کے مدارس کا سالانہ آمد و خرچ کا نقشہ دیا گیا ہے۔ آمد و خرچ کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اصولوں کا قلمی عکس شامل کیا گیا ہے جو یقیناً ایک تبرک اور تاریخی تحریر ہے۔

مدارس کے تعارف کے سلسلہ میں جو تفصیلات دی گئی ہیں۔ ان کی ترتیب یوں ہے نام، پتہ، مہتمم اور صدر مدرس کے نام۔ اساتذہ کرام کے اسماء گرامی۔ مدرسہ کی مختصر تاریخ۔ مسلک، نصاب، طلباء کی تعداد، مطبوعات، میزانیہ۔

تقریباً ۲ مدارس کی مختلف پہلوؤں کی تصاویر بھی دی گئی ہیں مدارس کے تفصیلی تعارف سے پہلے ہر صوبہ کا تفصیلی نقشہ دیا گیا ہے جس کی پشت پر اس صوبہ کے مدارس کا ہمہ پہلو خلاصہ موجود ہے۔ اسی طرح ہر ضلع کے مدارس کے تعارف سے پہلے اس ضلع کا جامع، تاریخی، جغرافیائی اور معاشرتی تعارف کرایا گیا ہے۔ مختلف مدارس کے زیر اہتمام جو جرائد و رسائل شائع ہوتے ہیں ان کے نام پتے اور ٹیلیفون نمبر بھی کتاب میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ غرض تعارف کا شاید ہی کوئی پہلو یا گوشہ رہ گیا ہو۔

کتاب کی افادیت و اہمیت میں جو چیز خاص طور پر نمایاں حیثیت کی حامل ہے وہ مندرجہ ذیل ابواب ہیں:

”مدارس عربیہ میں طرزِ تعلیم، نظام تعلیم کے مختلف پہلو، دینی مدارس اور دنیوی تعلیم، مدارس عربیہ میں فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم، مدارس عربیہ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

تعلیم نسواں، مدارس عربیہ کا نظم نسق۔"

یوں تو اس کتاب کا مطالعہ ہر صاحب علم کے لئے مفید ہے لیکن مدارس عربیہ اور تعلیم و تدریس سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے تو اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے اور یہ کام تبھی ہوتا ہے، جب وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ دوسروں کے تجربات سے آدمی بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے اور وہ کام جو دوسروں نے سالوں میں کیا ہو۔ مہینوں میں سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک رہنما کتاب اور ہر مدرسہ کی لائبریری میں اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔

اس ضمن میں نامناسب نہ ہو گا اگر ہم حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کرائیں کہ اگر وہ ایسی اہم کتب تیار کرانے کی ابھی متحمل نہیں ہے تو کم از کم ایسے افراد کی حوصلہ افزائی نہایت ضروری ہے۔ جو اس کے حصے کے کام اپنے محدود وسائل کے باوجود کر رہے ہیں۔ خصوصی طور پر محکمہ اوقاف کو اس کتاب کی توسیعِ اشاعت اپنا فرض سمجھنا چاہئے۔

۸۰۳ صفحات کی یہ کتاب سفید کاغذ پر ہے۔ کتابت و طباعت گوارا ہے۔ گتے کی مضبوط جلد اور سہ رنگا جاذبِ نظر ٹائٹل کے ساتھ۔ کاغذ کی بے پناہ گرانی کے دور میں بائیس ۲۲ روپے قیمت ایک مجبوری امر ہے۔

نام کتاب:	سرورِ کونین (ﷺ) اغیار کی نظر میں:
مرتب:	بشیر احمد سیدؔ
ضخامت:	۲۰۰ صفحات
قیمت:	۶ روپے
ناشر:	کتاب منزل، بازار فاروق گنج، گوجرانوالہ

سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا یہ کمال ہے کہ ان کے بدترین دشمنوں نے بھی ان کے امین اور صادق ہونے کی گواہی دی۔ انہیں اعلیٰ ترین اخلاق و کردار کا حامل انسان قرار دیا۔ ایسی شہادتیں اغیار ان کی حیات میں بھی دیتے رہے اور ان کے وصال کے بعد آج تک دیتے چلے آرہے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے قرآنِ پاک اور احادیث کی موجودگی میں اغیار کے آراء کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی سیرتِ رسول مقبول ﷺ اس کی محتاج ہے لیکن تبلیغی نقطہ نظر سے ان آراء کی افادیت مسلمہ ہے۔ وہ لوگ جو اسلام پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآنِ کریم پر جن کا یقین نہیں ہے۔ احادیث کو وقعت نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو ان ہی کے ہم مذہب، ہم قوم دانشوروں اور اکابرین کے اقوال اور تحریریں پیش کر کے قائل کیا جا سکتا ہے کہ دیکھو ہم تمہیں اس ہستی پر ایمان لانے کے لئے کہہ رہے ہیں جن کے متعلق خود تمہارے بڑوں نے یہ کہا ہے۔ اشاعتِ اسلام کے لئے (خود کو اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ بنا کر پیش کرنے کے بعد) یہ بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

اسی جذبہ کے تحت بشیر احمد سیدؔ صاحب نے "سرورِ کونین ﷺ۔ اغیار کی نظر میں" مرتب کی ہے اور بلاشبہ انہوں نے اس سلسلہ میں خاصی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محنت سے کام کیا ہے۔

کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں مختلف موضوع پر انیس ۱۹ مضامین شامل ہیں جن میں تین کے علاوہ تمام مضامین ہندو یا سکھ حضرات کے قلم سے ہیں۔ ان میں سے موتی لال ماتھر کا مضمون ''رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اخوت'' پنڈت سند لال کا مضمون ''پیغمبر اسلام کا رہن سہن'' بھگوان داس کا مضمون ''رسول اللہ کی مکمل زندگی کے اخلاقِ حسنہ'' لالہ دیش بندھو کا مضمون ''حضرت محمد ﷺ کی زندگی سے سبق دیکھیے'' لالہ رام لال کا مضمون ''حضرت محمد ﷺ کے عالم انسانیت پر عظیم احسانات'' اور مالک رام کا مضمون ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' قابلِ ذکر ہیں۔ مالک رام کے مضمون کی آخری سطور ملاحظہ ہوں:

''بس اسلامی کلمے کا مقصد یہ تھا اور ہے کہ کہیں مسلمان بھی امم سابقہ کی طرح اپنے نبی کو معبود نہ بنالیں۔ یہ گویا توحیدِ خالص کا اعلان ہے۔ اس کا پڑھنے والا اعلان کرتا ہے کہ آج سے میں کسی غیر اللہ کی عبادت نہیں کروں گا۔ وہ علی الاعلان شہادت دیتا ہے کہ خدا کے علاوہ دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔''

دوسرے باب میں زیادہ تر عیسائی حضرات کے مضامین سے اقتباسات ہیں۔ یہ اقتباسات معروف اور نامور شخصیت کے مضامین سے لئے گئے ہیں اور بعض لحاظ سے ان کی افادیت پہلے باب کے مضامین سے زیادہ ہے۔

تیسر باب کا عنوان ''عقیدت کے موتی'' ہے۔ اس باب میں غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام ہے۔ اگر شاعر کا نام نہ دیا جائے تو یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ یہ اشعار کسی غیر مسلم کے ہو سکتے ہیں۔ چند ایک شعر ملاحظہ ہوں:

ے آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا — اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا (ہری چند اختر)

ے لطفِ خدائے پاک شفاعت کے بھیس میں — فیضِ عمیم کا وہ اشارہ تمہیں تو ہو (عرش ملیانی)

ے سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں — کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں (جگن ناتھ آزاد)

اغیار میں صرف ہندو، عیسائی اور چند سکھ دانشوروں کو ہی شامل کیا گیا ہے اور وہ بھی موجودہ صدی کے حالانکہ ورقہ بن نوفل، ابوسفیان (قبول اسلام سے قبل) اور ابوجہل اور اس کے بعد مختلف ادوار کے دوسرے لوگوں کی آراء تلاش کر کے کتاب کو زیادہ وقیع اور مفید بنایا جا سکتا تھا۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی حضرات کی آسمانی کتب سے رسول اکرم ﷺ سے متعلق حوالہ جات کا الگ باب باندھا جا سکتا تھا۔

مرتب نے مختلف کتب اور رسائل سے سرورِ کونین ﷺ کے متعلق مضامین اور اقتباسات کو جمع کر دیا ہے۔ حالانکہ مرتب کی ذمہ داری اس سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً جن اصحاب کے رشحاتِ قلم کو منتخب کیا گیا ہے، ان کا مختصر تعارف اور علمی یا سیاسی مقام، جن کتب یا رسائل سے مواد حاصل کیا گیا ہے ان کا حوالہ وغیرہ۔

یہ مضامین بہر حال غیر مسلموں کے ہیں۔ لہٰذا بعض مقامات پر زبان و بیان کے لحاظ سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے ایسے مقامات پر فٹ نوٹ یا توضیح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر رسول اکرم ﷺ کے متعلق ''محمد صاحب'' گراں گزرتا ہے۔ سرورِ کونین بانیٔ

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اسلام نہیں ہیں حالانکہ ایک مضمون کا عنوان ہی یہی ہے۔"پیغمبر اسلام کی شادیاں" بڑا نازک موضوع ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ فٹ نوٹس دیئے گئے ہیں لیکن یہ صراحت موجود نہیں کہ یہ نوٹس "سرور کونین اغیار کی نظر میں" کے مرتب کے ہیں یا اس مرتب کے جہاں سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔ محض ایک جگہ (رضوی) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

"روح اللہ"، "حضرت ابراہیم"، "اسمٰعیل"، "موسیٰ"، "عیسیٰ" جیسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی پر (رض) لکھا گیا ہے اور کئی مقامات پر اس غلطی کا اعادہ ہے۔ معلوم نہیں یہ کاتب صاحب سے غلطی ہوئی ہے یا صاحبِ مضمون سے بہر حال افسوسناک ہے۔

کتابت کی بعض دوسری غلطیوں کے علاوہ جو چیز خاص طور پر کھٹکتی ہے۔ وہ غیر یکسانیت ہے۔ بعض جگہ موٹا قلم استعمال کیا گیا ہے اور بعض جگہ باریک۔ بعض جگہ کتابت گنجان ہے اور بعض جگہ کھلی۔ اس سے کتاب کا حسن متاثر ہوا ہے۔

اس دور میں جبکہ برطانیہ کی نوجوان نسل ہندومت (خواہ اس کے وجوہ کچھ بھی ہوں) اختیار کر رہی ہے، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ اشاعتِ اسلام کے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ کاش اس طرف خود کتاب کے مرتب یا دوسرے اصحاب توجہ دے سکیں۔

خود ہماری نوجوان نسل کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ناگزیر ہے کیونکہ اس کے مطالعہ سے اسے اندازہ ہو سکے گا کہ کیا اسلام کے متعلق خود اس کی اپنی معلومات اتنی ہیں جتنی کہ اس قوم کے دانشوروں کی کہ جن کے ساتھ لڑنا ہم جہاد سمجھتے ہیں؟

کتاب گٹ اپ کے لحاظ سے دیدہ زیب ہے۔ عمدہ سفید کاغذ، سہ رنگا جاذب نظر ٹائٹل، بہترین طباعت۔ غرض کہ اپنے ظاہری حسن اور معنوی حسن کے لحاظ سے یہ ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔

کشف الستر عما ورد فی السفر الی القبر

فضیلة الشیخ حماد بن محمد الانصاری الجامعة الاسلامیة بالمدینة المنورة

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی نبینا محمد وآله وصحبه أجمعین، وبعد فقد ورد إلی سؤال، صورته: وقع بین شخصین نزاع، هل یجوز لشخص أن ینوی السفر لمجرد زیادة قبر النبی ﷺ دون المسجد؟ أفتونا، والله یحفظکم. (والجواب) أن زیادة القبر کان منهیا منعها فی أول الاسلام لقرب الناس آنذاك من عبادة الأصنام ثم نسخ ذلك بقوله ﷺ: (کنت نهیتکم عن زیادة القبور فزوروها فانها تذکرکم الآخرة.) وأبیحت الزیارة للرجال دون النساء وبقیت فی حق النساء محرمة إلی یوم القیامة لحدیث ابن عباسؓ عند أبی داود والترمذی وغیرهما.

(لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور... الحدیث.) "کما أن شد الرحل إلی قبر مخصوص محرم لحدیث أبی هریرة فی الصحیحین (لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد .... الحدیث.) فی هذا الحدیث الأخیر مشوعیة شد الرحل إلی أحد المساجد الثلاثة – المسجد الحرام والمسجد النبوی والمسجد الأق صی. وأما ما سوی هذه المساجد الثلاثة فقد دل هذا الحدیث الصحیح علی أنه لا یجوز شد الرحل إلیه بمجرده. وذلك إذا کان یقصد الزائر مجرد زیارة قبر النبی ﷺ دون المسجد. وأما إذا قصد المسجد ثم زار القبر الشریف فهذا مشروع مما تقدم من مشروعیة زیارة القبور للرجال- ولم یرد عن النبی ﷺ نص صحیح فی جواز شد الرحال إلی قبر مخصوص سواء کان قبره ﷺ أو قبر غیره فمن ثم لم ینقل عن أحد من أصحابه رضی الله عنهم ولا عن أحد من التابعین لهم بإحسان أنه شد حلا لمجرد قصد زیارة قبره ﷺ ولا بمجد زیارة قبر غیره-

عن عائشة ری الله عنه عن النبی ﷺ (من عمل عملا لیس علیه أمرنا فهورد.) "ﷺ فالخیر فی إتباع السلف والشر فی ابتداع الخلف. وحذا وقد امتدل بعض المتأخرین ممن ینتهی إلی العلم علی مشروعیة مجرد قصد زیارة القبر الشریف أو غیره بأدلة إما موضوعة أو ضعیفة جدا لا تثبت بمثلها الأحکام الشرعیة کما هو معلوم عند

9 حدیث صحیح من طریق أبی صالح عن ابن عباس وأبو صالح هذا قیل باذام سولی أم هانئ وقیل میزان البصری فعلی کل من القولین فالحدیث صحیح لأن باذام إذا روی عنه محمد بن جحادة فحدیثه صحیح وهذه الروایة من روایته عنه بخلاف ما إذا روی عنه الکلبی وأمثاله. وأما علی القول بأن أبا صالح هذا هو میزان البصری فلا خلاف فی صحه هذه الروایة-

"ﷺ أو کما قال. رواه مسلم وغیره.

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أهل التحقيق والمعرفة بالحديث أذكرها مع بيان بطلانها أو ضعفها بما قال أئمة الشان فأقول بعد الاستعانة بالله:

أدلة المجيزين لشد الرحل وعدم قابليتها للاستدلال بها على دعواهم أربعة عشر حديثا.

1. (من زار قبرى وجبت له شفاعتى.) أخرجه أبو الشيخ وابن أبى الدنيا عن ابن عمر وهو فى صحيح ابن خزيمة وأشار إلى تضعيفه وقال: فى القلب من سنده شئ وأنا أبرأ إلى الله من عهدته. قلت: وفيه مجهولان (الف) عبد الله بن عمر العمرى قال أبو حاتم: مجهول. (ب) موسى بن هلال البصرى العبدى قال أبو حاتم: مجهول. وقال العقيلى: لا يصح حديثه ولا يتابع عليه، يعنى هذا الحديث وقال الذهبى: وأنكروا ما عنده حديثه عن عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر فذكر هذا الحديث وفى رواية (من زار قبرى حلت له شفاعتى).
2. (من حج فزار قبرى بعد وفاتى كان كمن زارنى فى حياتى.) أخرجه الطبرانى والبيهقى عن ابن عمر وفيه خفص بن سليمان القارى قال ابن عدى: رمى بالكذب والوضع وقال الامام أحمد بن حنبل: متروك الحديث وقال البخارى: تركوه وقال ابن خراش: كذاب يضع الحديث وذكر الذهبى هذا الحديث من منكراته بما لفظه: وفى ترجمته فى كتاب الضعفاء للبخارى تعليقا: إبن أبى القا حدثنا سعيد بن منصورثنا حفص بن سليمان عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر مرفوعا (من حج وزارنى بعد موتى .... الحديث).
3. (من زارنى بالمدينة محتسبا كنت له شهيدا أو شفيعا يوم القيامة.) أخرجه البيهقى عن أنس وفيه أبو المثنى سليمان بن يزيد الكعبى قال الذهبى: متروك وقال أبو حاتم: منكر الحديث ووقال ابن حبان: لا يجوز الاحتجاج به.
4. (من حج ولم يزرنى فقد جفانى.) قال السخاوى فى المقاصد: لا يصح، أخرجه ابن عدى فى الكامل وابن حبان فى الضعفاء والدارقطنى فى العلل وغرائب مالك عن ابن عمر مرفوعا وقال الذهبى فى الميزان: بل هو موضوع.
5. (من زار قبرى أو قال من زادنى كنت له شفيعا أو شهيدا ومن مات بأحد الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة.) أخرجه أبو داؤد الطيالسى فى مسنده عن عمر بن الخطاب وفيه مجهول وسنده

کما یلی:

قال ابو داؤد: حدثنا سوار بن میمون ابو الجطرح العبدی قال حدثنا رجل من آل عمر عن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ .... الحدیث.

6. (من زارنی بعد موتی فکأنما زارنی فی حیاتی ومن مات بأحد الحرمین بعث من الآمنین یوم القیامة.) أخرجه الدار قطنی فی سننه وابن عساکر عن حاطب وفیه هارون بن قزعة أو ابن أبی قزعة، قال البخاری: لا یتابع علی هذا الحدیث وشیخ قزعة أیضا مجهول وقد ذکر الذهبی فی المیزان حدیث حاطب هذا وحدیث عمر الذی قبله من منکرات قزعة بن أبی قزعة.

7. (من زارنی وزار أبی إبراهیم فی عام واحد دخل الجنة.) قال النووی فی المجموع: حدیث موضوع لا أصل له ولم یروه أحد من أهل العلم بالحدیث.

8. (من جاءنی زائرا لم تزعه حاجة إلا زیارتی کان حقا علی أن أکون له شفیعا یوم القیامة.) أخرجه ابن النجار فی الدرر الثمینة فی تاریخ المدینة والدار قطی فی سننه وفیه مسلمة بن سالم قال الذهبی فی دیوان الضعفاء: فیه تجهم قال ابن عبد الهادی فی الصارم: مجهول الحال لم یعرف بنقل العلم ولا یحل الاحتجاج بخبره هو شبیه موسی بن هلال العبدی المتقدم.

9. (من لم یزر قبری فقد جفانی.) رواه ابن النجار فی تاریخ المدینة بلا سند بصیغة التمریض ولفظه وروی عن علی قال قال رسول الله ﷺ .... الحدیث.

قال ابن عبد الهادی: هذا الحدیث من الموضوعات المکذوبة علی علی بن أبی طالب قلت: وفی سنده النعمان بن شبل الباهلی کان متهما وقال ابن حبان: یأتی بالطامات، ذکره الذهبی فی المیزان وفی سنده ایضا محمد بن الفضل بن عطیة المدینی کذاب مشهور بالکذب ووضع الحدیث، قال الذهبی فی المیزان: قال أحمد: حدیثه حدیث أهل الکذب وقال ابن معین: الفضل بن عطیة ثقة وابنه محمد کذاب وقال الذهبی: مناکیر هذا الرجل کثیرة لأنه صاحب حدیث وقال ایضا: قال الملاس: کذاب وقال البخاری: سکتوا عنه رماه ابن أبی شیبة بالکذب وقد روی هذا الحدیث عن علی مرفوعا بسند فیه عبد المالك بن هارون بن عنترة وهو مهتم بالکذب ووضع الحدیث قال یحی: وقال الذهبی: واتهم بوضع حدیث (من صام یوما من أیام البیض عدل عشرة آلاف سنة) ولهذا اللکذاب أعنی عبد الملك بن أبی عمرو له بلایا کثیرة تراجع فی المیزان المذهبی.

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

10. (من أتى المدينة زارنى وجبت له شفاعتى.... الحديث.) أخرجه يحيى الحسينى عن بكير بن عبد الله مرفوعا وقال ابن عبد الهادى: هذا حديث باطل لا أصل له مع أنه ليس فيه دليل على محل النزاع وهو السفر إلى القبر.

11. (من لم تمكنه زيارتى فليزر قبر إبراهيم الخليل.) قال ابن عبد الهادى: هذا من الأحاديث المكذوبة والأخبار الموضوعة وأدنى من يعد منطلبة العلم يعلم أنه حديث موضوع وخبر مفتعل مصنوع وذكر مثل هذا الكذب من غير بيان لحاله كبير بمن ينتسب الى العلم.

12. (من حج حجة الاسلام وزار قبرى وغزا غزوة وصلى على فى بيت المقدس لم يسأله الله فيما افترض عليه.) رواه أبو الفتاح الأزدى فى الجزء الثانى من فوائده إلى عبد الله بن أبى سهل المصيص عن الحسن بن عثمان الزيادى، قال الذهبى حديث بدر عن الحسن بن عثمان الزيادى باطل يعنى هذا الحديث وقد رواه عنه النعمان بن هارون هذا مع أن أبا الفتح الأزدى ضعيف- وقال ابن الجوزى: كان حافظا ولكن فى حديثه مناكير وكانوا يضعفونه وقال الخطيب: متهم بوضع الحديث ضعفه البرقانى وأهل الموصل لا يعدونه شيئا-

13. (من زارنى حتى ينتهى إلى قبرى كنت له يوم القيامة شهيدا أو قال شفيعا.) أخرجه العقيلى فى الضعفاء عن ابن عباس مرفوعا ومن طريقه أخرجه ابن عساكر، هذا حديث موضوع على ابن جريج قال ابن عبد الهادى: قد وقع تصحيف فى متنه واسناده. اما التصحيف فى متنه فقوله (من زارنى) من الزيارة وانما هو (من رآنى فى المنام كان كمن رآنى فى حاتى) هكذا فى كتا العقيلى فى نسخة ابن عساكر (من رآنى) من الرؤية فعلى هذا يكون معناه صحيحا لقوله ﷺ من رآنى فى المنام فقد رآنى لأن الشيطان لا يتمثل بى وأما التصحيف فى سنده فقوله سعيد بن محمد الحضرمى والصواب شعيب بن محمد كما فى رواية ابن عساكر فعلى كل حال فهذا الحديث ليس بثابت سواء كان بلفظ الزيارة أو الرؤية لأن راويه فضالة بن سعيد بن ذهيل المزنى شيخ مجهول لا يعرف له ذكر إلا فى هذا الخبر الذى تفرد به ولم يتابع عليه وقال الذهبى: قال العقيلى: حديثه غير محفوظ حدثناه سعيد بن محمد الحضرمى حدثنا فضالة ثنا محمد بن يحيى عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس مرفوعا (من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى.) وقال الذهبى: هذا موضوع على ابن جريج.

14. (ما من أحد من أمتى له سعة ثم لم يزرنى فليس له عزر.) أخرجه ابن النجار فى تاريخ المدينة عن أنس

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
www.KitaboSunnat.com

وفيه سمعان بن المهدى قال الذهبي: سمعان بن المهدى عن أنس بن مالك حيوان لا يعرف، له نسخة مكذوبة رأيتها قبح الله من وضعها قال ابن حجر فى اللسان: وهذه النسخة من رواية محمد بن المقاتل الرزاى عن جعفر بن هارون الواسطى عن سمعان فذكر النسخة وهى أكثر من ثلاث مائة حديث. قلت: هذه أربعة عشر حديثا يستدل بها القائلون على جواز شد الرحل إلى القبر وهذا جملة ما احتج به من أجاز شد الرحل إلى زيارة القبر الشريف بمجرده فقد تبين لك أن جميع هذه الأخبار ليس فيها حديث صحيح ولا حسن بل كلها ضعيفة جدا أو موضوعة لا أصل لها كما تقدم لك عن أئمة هذا الشان مفصلا فلا تغتر بكثرة طرقها وتعددها فكم من حديث له طرق أضعاف هذه الطرق التى سردناها عليك ومع ذلك فهو موضوع عند أهل هذا الباب لأن الكثرة لا تفيد إذا كان مدارها على الكذابين أو المتهمين أو المتروكين أو المجهولين كما سمعت فى هذه الأحاديث فانها لا تخل من كذاب أو متهم أو متروك أو مجهول لا يعرف أبدا، ومثل هذا لا يصلح للتقوية كما هو معلوم عند أهل الفن. هذا اذا لم يكن من الصحيح ما يبطلها فكيف هو موجود ومعلوم فى الصحيح كما تقدم من منع شد الرحل إلى غير المساجد الثلاثة.

قال شيخ الاسلام ابن تيمية فى اقتضاء الصراط المستقيم فى مخالفة أصحاب الجحيم: لم يثبت عن النبى ﷺ حديث واحد فى زيارة قبر مخصوص ولا روى فى ذلك شيئا لا أهل الصحيح ولا السنن الاحاديث من جمع الموضوع وغيره وأجل حديث روى فى ذلك حديث رواه الدار قطنى ومع ذلك هو ضعيف بأتفاق أهل العلم بل الأحاديث من جمع الموضوع وغيره وأجل حديث روى فى ذلك حديث رواه الدار قطنى ومع ذلك هو ضعيف بأتفاق أهل العلم بل الأحاديث المروية فى زيارة قبره ﷺ كقوله (من زارنى وزار أبى إبراهيم الخليل فى ام واحد ضمنت له على الله الجنة.) و (من زارنى بعد مماتى فكانما زارنى فى حياتى.) و (من حج ولم يزرنى فقد جفاتى.) نحو هذه الأحاديث مكذوبة موضوعة انتهى.

قلت: هذا هو الصواب الذى يجب أن يدان الله به ومن كان عنده حديث صحيح فى هذا الموضوع أعنى فى جواز شد الحل إلى قبر مخصوص فعليه بالبيان وأما هذه الأحاديث ليست فى شد الرجل بل هى فى الزيارة المشروعة المجمع عليها وفى هذه الزيارة نصوص صحيحة صريحه تغنى عن هذه البواطل التى لا يصح الاحتجاج بها فى ثبوت حكم من الأحكام الشرعية كائنا ما كان بل ولا تجوز روايتها إلا مع بيان أنها موضوعة أو ضعيفة لا تصلح لئلا يدخل فى قوله ﷺ (من حدث عنى بحديث ويرى أنه كذب فهو

أحد الكاذبين) عند مسلم وغيره عن المغيرة بن شعبة وسمرة بن جندب مرفوعا بألفاظ متعددة والله أعلم. وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم-

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com